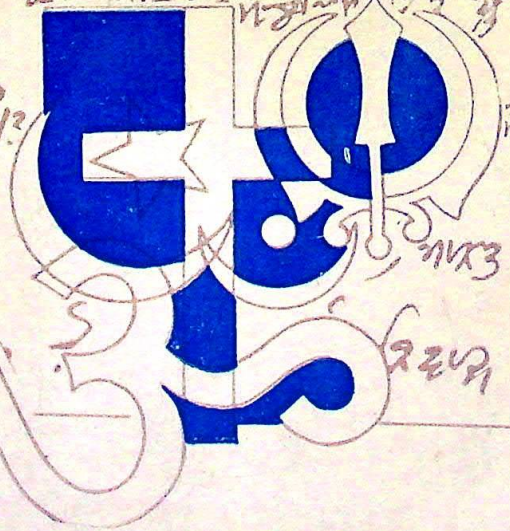

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سکھ دھرم اور سیکولرازم

30-10-04

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سکھ دھرم اور سیکولرازم

کرتار سنگھ دگل

مترجم

(بیگم) زبیدہ مدان

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

نئی دہلی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

(1908 ساکا، 1987)

© برائے اردو ترجمہ: نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

SECULAR PERCEPTIONS IN SIKH FAITH (Urdu)

قیمت: 13.25

PUBLISHED BY THE DIRECTOR, NATIONAL BOOK TRUST, INDIA, A-5, GREEN PARK, NEW DELHI-15 AND PRINTED AT J.K. OFFSET PRINTERS, 315, JAMA MASJID, DELHI-6

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ترتیب

صفحہ نمبر

دیباچہ	
صلح کل اوتار	12
گرو کے نقش قدم پر	22
پارسا سپاہی	32
خالصہ کی پیدائش	45
گرو گرنتھ صاحب	55
مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مذہبی غیر جانبداری	64
جدوجہد آزادی میں سکھوں کا تعاون	73
سیکولر ہندوستان کے ساتھ وابستگی	85
سکھ اور پنجابی	91
آخری لفظ	96
پنجابی ادیبوں کا فرض	101

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نرمل جیت سنگھ کے نام

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دیباچہ

سیکولرازم کی تعریف الگ الگ لوگوں نے الگ الگ کی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سیکولرازم لادینیت ہرگز نہیں ہے جیسا کہ ہم آزاد ہندوستان میں اس کے معنی سمجھنے لگے ہیں۔ سیکولرازم تمام مذاہب کے لیے یکساں احترام ہے۔

مہاتما گاندھی میں سچّے ہندو تھے، پھر بھی انھوں نے بہت سے مذاہب کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کی پرارتھنا سبھا میں ہر روز ایک سے زیادہ مذہبی کتابوں سے اقوال سنائے اور گائے جاتے تھے۔ ان میں بدھ مت، جین مت، عیسائیت، اسلام اور سکھ مذہب جیسے کئی مذاہب شامل تھے۔ جواہر لال اپنے آپ کو کسی مذہب سے وابستہ نہیں بتاتے تھے پھر بھی وہ مذہبی مقامات کا اپنے ہم وطنوں کی طرح احترام کرتے تھے۔ بچپن میں انھوں نے جنیو پہنا اور انتقال کے بعد ان کی آخری رسومات ہندو رسم و رواج کے مطابق ادا کی گئیں۔ اندرا گاندھی کی روحانی پیاس انھیں ہر اس جگہ لے جاتی ہے جہاں انھیں سکون مل سکے۔ خواہ وہ ہندو، مسلم، سکھ مذہبی مقام ہو یا کوئی روحانی بزرگ ہو۔

ہندوستانی ہونے کے ناطے ہم سیکولرازم سے جڑے ہوئے ہیں خواہ کوئی ہندو ہے یا مسلمان، سکھ یا کچھ اور۔ مذہب ہر ایک شہری کا اپنا نجی معاملہ ہے۔ اس میں کسی کی دخل اندازی نہیں۔

دنیا کے عظیم مذاہب میں سکھ مذہب سب سے نیا اور سادہ مذہب ہے۔ سکھ مذہب کے بانی بابا نانک کوئی پانچ سو سال پہلے جلوہ گر ہوئے۔ انھوں نے دنیا کے تمام پاک مذاہب کا گہرا مشاہدہ کیا اور ایک ان تھک ریاضت کی۔ اگر ایک طرف وہ ہندوؤں کے مشہور مندر پوری کے درشنوں کے لیے گئے تو دوسری طرف انھوں نے مکہ مدینہ کی زیارت بھی کی۔ شمال میں مانسرور کے کنارے سادھو سنتوں سے مذہبی امور پر گفتگو کی تو دکن میں سری لنکا میں بودھیوں کے ساتھ تبادلۂ خیال بھی کیا۔ پنجاب کے ہندو مسلمان، دونوں کے بزرگ گرو نانک آج تک بابا نانک شاہ فقیر، ہندو کا گرو اور مسلمان کا پیر، کہہ کر یاد کئے جاتے ہیں۔ گرو نانک کے زمانے میں پنجاب پر بابر نے حملہ کیا۔ اپنے لوگوں پر حملہ آور کے ڈھائے مظالم دیکھ کر بابا نانک کی روح تڑپ اٹھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور انھوں نے جیسے اپنے رب سے شکوہ کیا ہو۔

اتنے ظلم ہوئے کہ ہم رو دیے
کیا تمہیں درد کا احساس نہ ہوا ؟

اس کے باوجود انھوں نے اپنے تمام کلام میں ایک دفعہ بھی مسلمان کو بُرا نہیں کہا۔ انھوں نے ترک اور پٹھان کی ملامت کی لیکن مسلمان کو برا بھلا نہیں کہا۔ مسلمان تو ان کے ہم وطن تھے اور ان کے پڑوسی۔ جس طرح کہ ہندو اور دوسرے لوگ تھے۔ یہی نہیں بلکہ جب وہ مکہ معظمہ کی زیارت کے لیے چلے تو انھوں نے عام حاجیوں جیسا لباس زیب تن کیا۔

نیلے رنگ کے کپڑے پہنے
ترک پٹھان کا عمل کیا

(یعنی ترک پٹھان کی طرح نیلے کپڑے پہنے) (آسادی وار)

ہندو گھر میں پیدا ہوئے بابا نانک کی تعلیم کی بنیاد فرقہ وارانہ اتحاد پر تھی اور تمام عمر انھوں نے اس بات کی تبلیغ کی۔ گرو نانک نے کہا — نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان۔

خالصہ پنتھ کے بانی، گرو گوبند سنگھ خود ہی مرشد اور خود ہی مرید تھے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال باب تھا۔ گرو گوبند سنگھ کٹّر حامیٔ جمہوریت تھے۔ کئی دفعہ انھوں نے کہا۔

ان ہی کی کرپا کے سجے ہم ہیں،
(ان ہی کے کرم سے ہماری شان ہے)

اپنے انتقال سے پہلے انھوں نے اپنا تمام روحانی اور مادی اختیار گرو گرنتھ صاحب اور پنتھ کو بخش دیا۔

پنجاب میں حالیہ ہندو سکھ کشمکش گو بہت معیوب ہے لیکن یہ کوئی نئی بیماری نہیں۔ جب کبھی شر پسند عناصر کو موقع ملتا ہے تو اس طرح کی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

کچھ دہائیاں پہلے سکھ پکار پکار کر کہہ رہے تھے ہم ہندو نہیں ہیں۔ اس وقت بھی ان کی ہستی پر حقیقی یا قیاسی حملے کا خطرہ تھا۔ اس وقت پروفیسر پورن سنگھ جیسے شاعر اور مفکّر نے بلند آواز سے کہا تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"عظیم ہندو تہذیب کا سکھ تہذیب پر جو اثر ہے اس سے کوئی مفکر نہیں ہو سکتا"

سکھ کسی معنی میں بھی غیر نہیں، وہ ہندوستان میں پیدا ہوتے اور ہندوستان کی شاندار وراثت کے وہ مالک ہیں۔ کوئی سکھ پرہلاد اور میرا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گرو گوبند سنگھ نے اپنے سکھوں کو بنارس سنسکرت پڑھنے کے لیے بھیجا۔ کہا جاتا ہے انھوں نے خود کرشن لیلا کا ترجمہ کیا۔

ہماری مادرِ وطن ہندوستان ہے۔ ہماری زبان سنسکرت سے نکلی ہے۔ ہم جدید نظریے کے حامل ہیں گو کہ ہم پرہلاد اور کرشن کی طرح قدیم بھی ہیں۔

ہندوستان کے سیاسی اتحاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی کا یہ کہنا کہ ہم ہندو نہیں ہیں ایک شرارت ہے اور نہ ہی یہ کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ سکھوں کے اختلافات کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنا شرارت ہے۔ ہمارے اختلافات بنیادی نہیں ہے۔

جو بات سکھوں کو آج کل پھر پریشان کر رہی ہے وہ ان کی پہچان کا سوال ہے۔ سکھوں کے کئی مشہور دانشوروں کو یہ فکر لاحق ہے کہ جدیدیت کے جوش میں سکھ شاید اپنی پہچان کھو دیں گے۔ اس میں کوئی سچائی نہیں۔ اگر گوردواروں میں سکھ عقیدت مندوں کی حاضری سے اندازہ لگایا جائے تو سکھ مذہب میں اعتقاد بڑھتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ آج بھی سکھ قوم میں کچھ ایسے عقیدت مند ہیں جو سکھ مذہب اور سکھ روایت کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ کچھ برس پہلے دلی میں گوردوارہ بنگلہ صاحب ایک ویران سا تیرتھ استھان ہوتا تھا۔ آج اس گوردوارے میں عقیدت مندوں کا اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں ملتی۔ ماتھا ٹیکنے کے لیے بہت دیر تک قطار میں کھڑے رہنا پڑتا ہے اور یہی حال دوسرے تیرتھ استھانوں کا ہے۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ریاست وجود میں آئی ہے جہاں سکھ اکثریت میں ہیں اور اس ریاست کی سرکاری زبان پنجابی قرار پائی ہے۔ یہ فخر پنجابی زبان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں بھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ اب وقت ہے کہ اس سب کا بہترین فائدہ اٹھایا جائے اور فضول بحث و مباحثے میں قوم کی طاقت کو نہ گنوایا جائے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یہ چھوٹی سی کتاب میں نے عجلت میں لکھی ہے تاکہ پنجاب میں حالیہ تناؤ کو کسی طرح کم کیا جا سکے۔ دراصل یہ جھگڑا امرتسر میں نرنکاری فرقے اور اکالیوں کے درمیان شروع ہوا تھا اور پھر اس نے تمام صوبے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اب اس نے وہی پرانا فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔

سکھ قوم ایک ذی شان اور زندہ دل قوم ہے۔ وہ اپنی روایت پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ سکھ باہمت اور محنتی ہیں، دوست اور ترقی پسند ہیں۔ ان کا جذبۂ قربانی لاثانی ہے۔ خصوصاً یہ ان ہی کی محنت کے بدولت ہے کہ ملک نے اناج کی پیداوار میں ایسی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ملک کی حساس سرحد پر بیٹھے ہوئے یہ اپنے ملک کا طاقتور بازو ہیں۔ ملک کی تحریک آزادی میں سکھوں کا تعاون بے مثال ہے اور آزادی کے بعد ملک پر کئی حملوں کے دوران خواہ وہ مغرب سے ہوئے یا مشرق سے سکھوں نے بے انتہا قربانیاں دی ہیں۔ ہر قومی ضرورت کے وقت وہ صفِ اوّل میں رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خصوصاً جن کی تاریخ اس قدر شاندار ہے اور جن کا حال اتنا روشن ہے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ تعصب اور تنگ نظری سے اپنے روشن تصوّر کو دھندلا دیں۔

یہ کتاب پہلے انگریزی میں لکھی گئی اور اس کے بہت سے حصّے کو انگریزی ٹری بیون نے 13 قسطوں میں ایک ہفت روزہ سلسلے میں شائع کیا۔ قارئین نے جو تاثر دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مقصد کے تحت یہ کتاب لکھی گئی تھی وہ مقصد کسی حد تک حاصل ہوا۔ پنجاب کے دانشور اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہم اس سب کے لیے کیا قیمت چکانے جا رہے ہیں۔ آج پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس سب کو جھٹلا رہا ہے جس کے لیے خالصہ کی تخلیق کی گئی تھی اور ان اقدار کو بھی جنھیں سکھوں نے اپنائے رکھا ہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔

کرتار سنگھ دگل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

راستے بھلے ہی دو ہوں مگر منزل ایک ہے

گرو نانک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

صلح کل اوتار

بابا نانک شاہ فقیر

ہندو کا گرو، مسلمان کا پیر

پنجاب کے ہندو مسلمان گرو نانک دیو جی کو آج تک اس طرح یاد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب بابا گرو نانک انتقال فرما گئے تو ہندو کہنے لگے ہم اپنے طریقے سے ان کی آخری رسومات ادا کریں گے اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم انھیں دفن کریں گے۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں۔ اپنی زندگی میں جہاں وہ ہردوار اور کاشی، متھرا اور پوری تیرتھ یاترا کے لیے گئے، وہاں انھوں نے مکہ مدینہ کی زیارت بھی کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زیارت کے دوران بابا نے نیلا لباس پہن رکھا تھا جیسا کہ ترک اور پٹھان پہنتے تھے جہاں انھوں نے 'سدھ' ہندو سنیاسیوں کے ساتھ دوستی کی اور ان کے ساتھ طویل روحانی گفتگو کی وہاں انھوں نے مسلم صوفیوں اور فقراء کے ساتھ بھی خدا اور خدا کے بندوں کے بارے میں اکثر تبادلہ خیال کیا۔ ان کے مستقل رفقاء میں مردانہ رباب بجانے والا مسلم تھا اور بالا ایک ہندو، جس نے بابا نانک کی سب سے پہلی سوانح عمری لکھی۔ بابا نانک فارسی جانتے تھے اور انھوں نے اس زبان میں شاعری بھی کی۔ انھیں سنسکرت پر بھی عبور حاصل تھا اور انھوں نے ویدوں و پرانوں کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک ایسی سالم ہستی تھے جس میں ہر مذہب اور ہر قوم کے اچھے اوصاف کا سنگم تھا۔

بچپن ہی سے بابا نانک نے اپنے سماج میں رائج ضعیف الاعتقادی، ٹونا ٹوٹکا اور بے کار رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی اس وجہ سے کئی لوگ یہاں تک کہ ان کے والد محترم بھی ان سے خفا ہو گئے۔ ہندو پجاری اور مسلم مولوی ان سے ناراض تھے۔ اس چھوٹی عمر میں ان کی بہن نانکی اور ان کے گاؤں کے چودھری رائے بلار کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بابا نانک میں خدا کا نور نظر آیا۔ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ راتے بلار گرو نانک کا پہلا بھگت تھا یا ان کی بڑی بہن بی بی نانکی۔

گرو نانک ریا، مکر اور رسم و رواج کے خلاف تھے، خواہ یہ اسلام میں نظر آتا یا ہندو مت میں وہ پاکیزہ اور ایماندارانہ زندگی کی تلقین کرتے تھے۔ خدا کی وحدت پر ان کا یقین تھا۔ پہلا سبق جو انھوں نے دنیا کو دیا وہ تھا ـــــ نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان۔ وہ ہندو کو اچھا ہندو اور مسلمان کو اچھا مسلمان بننے کی ہدایت دیتے تھے۔

رواج کے مطابق جب بابا نانک ایک خاص عمر کو پہنچے تو یہ فیصلہ ہوا کہ انھیں جنیو پہنایا جائے۔ ہندوؤں میں جنیو پہننا مذہبی طور پر ایک اہم اور خصوصی رسم ہے۔ بابا نانک اس کے لیے رضامند نہیں ہوتے۔ انھیں ایسے فالتو رسم و رواج میں یقین نہیں تھا۔ جنیو انھیں صرف ایک دھاگہ معلوم ہوتا تھا جو وقت کے ساتھ پرانا ہو کر ٹوٹ سکتا تھا۔ بابا نانک نے کہا:

رحم کی کپاس، صبر و شکر کا سوت
پارسائی کی گرہ، سچائی کا بل دیا ہو
برہمن! اگر ایسا جنیو ہے تیرے پاس
تو مجھے پہنا دو۔
نہ یہ ٹوٹے، نہ میلا ہو، نہ یہ جلے
اور نہ ہی گم ہو
نانک نے کہا وہ لوگ مبارک ہیں
جو ایسا دھاگہ گلے میں پہنتے ہیں

(آسادی وار)

ایک مرتبہ سلطان پور کے نواب اور وہاں کے قاضی نے بابا نانک کو اپنے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے کہا۔ گرو نانک کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ بابا ہمیشہ ایسے لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہتے تھے جنھیں خدا کی وحدت پر یقین ہو لیکن جب وہ دونوں جماعت کے لیے کھڑے ہوئے تو گرو نانک ذرا الگ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد قاضی نے بابا نانک سے کہا:

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

"آپ نے تو کہا تھا کہ ہمارے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ آپ نے نماز نہیں پڑھی۔" گرو نانک نے جواب دیا۔" میں کس کے ساتھ نماز پڑھتا؟ آپ کا خیال تو گھر میں نئی پیدا ہوئی بچھیا میں تھا کہ کہیں وہ گھر کے کنوئیں میں نہ جا گرے۔" قاضی شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔" تو پھر آپ نے میرا ساتھ ہی دیا ہوتا۔" نواب نے کہا۔" لیکن آپ تو کابل میں گھوڑے خرید رہے تھے۔" نواب اس بات کی سچائی سے انکار نہیں کر سکا۔

بابا نانک نے اس موقعہ پر فرمایا۔

مہر مسجد ہو، صدق جائے نماز
حق عمل قرآن ہو
شرم سنت، نیک اخلاق روزہ ہو
ایسا مسلمان بن
نیک کردار کعبہ اور سچ پیر ہو
نماز اور کلمہ نیک عمل ہو
اس کی رضا تسلیم کرنا تمہاری تسبیح ہو
اے نانک ایسے مسلمان کی خدا لاج رکھتا ہے۔

... ...

پنج نمازیں، پنج وقت اور پنج نام
پہلی نماز سچ بولنا
دوسری حق حلال کی روزی کھانا
تیسری خیرِ خلق مانگنا
چوتھی نیک نیّت رکھنا
پانچویں صفت وثنائے خدا کرنا
اور اعلیٰ کردار کا کلمہ پڑھے
پھر مسلمان بن سکتا ہے۔
اے نانک ان کے بغیر سب جھوٹ کے بیوپاری ہیں
اور ان کی عزت بھی جھوٹی ہی ہوتی ہے۔

(نانک)

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اس طرح کے خیالات رکھنے والے درویش کو، سوجھ بوجھ رکھنے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مسلم انھیں ولی اللہ مانتے تھے اور ہندو گھرانوں میں کل تک ایک بیٹے کو ضرور گرو کی پناہ میں لایا جاتا تھا اور اسے سکھ سجا کر بابا نانک کے لیے عقیدت کا اظہار کیا جاتا تھا۔

ان دنوں سلسلۂ مواصلات آج کل کی طرح نہیں تھا۔ پھر بھی بابا نانک نے اپنی زندگی میں کئی طویل سفر کئے اور اپنا پیغام شمال جنوب، مشرق مغرب ملک کے کونے کونے میں اور ملک سے باہر بھی پہنچایا۔ مشرق میں ناگا لینڈ تک گئے۔ جنوب میں وہ سری لنکا اور لکش دیپ تک پہنچے۔ شمال میں وہ ہمالیہ پہاڑ عبور کرتے ہوئے مانسرور جھیل تک جا پہنچے۔ جہاں وہ کئی سادھوؤں اور سدھوں سے ملے جو دنیا کو ترک کرنے کے بعد وہاں جا چھپے تھے اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ مغرب میں بغداد تک پہنچے۔ خواہ یہ سفر طویل اور مشکل تھے لیکن ان کی وجہ سے آپس کے میل جول اور ارتباط کو فروغ ہوا۔ جہاں کہیں وہ گئے وہاں انھیں آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے لوگوں کی عقیدت بدستور قائم ہے۔

مشرق کی یاترا کے دوران کہتے ہیں کہ بابا نانک "گورکھ متے" گئے۔ پیلی بھیت سے تھوڑی دور یہ تیرتھ استھان گورکھ ناتھ کا بسایا ہوا کہا جاتا ہے۔ یہاں کے سدھوں اور جوگیوں نے بابا نانک کے ساتھ سخت بحث و مباحثہ کیا۔ آخر انھیں ہار ماننی پڑی اور اپنے ڈیرے کا نام انھوں نے گورکھ متے کی جگہ نانک متا رکھا۔ یہ جگہ آج تک تیرتھ استھان مانی جاتی ہے۔ بابا نانک نے جوگیوں سے کہا۔

جوگ (فقیری) جوگیوں جیسا لباس پہننے میں نہیں ہے۔
اور نہ ہی جوگیوں والا ڈنڈا پکڑنے اور راکھ ملنے سے ملتی ہے۔
فقیری کانوں کو چھدوانے یا سر منڈوانے میں نہیں ہے۔
جوگی سنکھ پھونکنے سے نہیں بن سکتے
فقیر اور جوگی تب بنتے ہیں جب دنیا میں رہتے ہوئے گناہ سے پاک رہیں
جوگی گھر سے باہر مرگھٹ اور قبر پر بیٹھنے سے نہیں بنتے اور نہ ہی دیس
پردیس گھومنے اور زیارت و یاترا کرنے سے بن سکتے ہیں دنیا میں
رہتے ہوئے گناہ سے پاک رہیں تب جوگی بنتے ہیں ست گرو مل جائے تو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خوف دور ہو جاتا ہے۔ دل کا بھٹکنا ختم ہو جاتا ہے۔ پیار کا چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اس دل ہی میں خدا سے لَو لگ جاتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے گناہ سے پاک رہیں تب جوگی بنتے ہیں۔ نانک زندہ رہتے ہوئے نفسانی خواہشات کو مار ڈالیں۔

ایسا جوگی بن جا۔ جہاں سنکھ پھونکنے کی جگہ دل کا ساز اسی کا گیت گائے اور بے خوف روحانی مقام پر پہنچ جائیں اس طرح دنیا میں رہتے ہوئے گناہ سے پاک رہیں تو جوگی بننے کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔

آسام سے لوٹتے ہوئے بابا نانک اڑیسہ سے ہوتے ہوئے آئے اور یہاں وہ جگن ناتھ پوری کی زیارت کے لیے گئے۔ یہ مندر ہندو مذہب کے مشہور مذہبی مقامات میں سے ایک ہے۔ بابا نانک نے دیکھا وہاں کے پجاری ظاہری رسومات کی طرف زیادہ دھیان دیتے تھے اور خدا کے لیے ان کے دل میں ایمان کم تھا۔ تھالیوں میں طرح طرح کا سامان جمع کر کے وہ لوبان اور اگربتی جلا کر آرتی کیا کرتے اور یوں دن میں کئی دفعہ آرتی ہوتی تھی۔ لیکن ان میں سے کسی کا دل خدا میں نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر ایک روز بابا نانک آرتی کے دوران اٹھ کر مندر سے باہر جا بیٹھے اور مردانے سے کہنے لگے — مردانہ رباب چھیڑ — اور پھر بابا نانک نے اس آرتی کو گایا:

آسمان تھال ہے
سورج چاند چراغ ہیں
اور ستارے موتی ہیں
صندل کے درختوں کی خوشبو لوبان ہے۔
ہوا پنکھا جھل رہی ہے
اور تمام جنگل تمہارے پھول ہیں
یہ کتنی خوب صورت آرتی ہے اے خدا تیری آرتی
بنا بجائے ہی تمہاری آرتی کے لیے نقارے بج رہے ہیں
ہزاروں تمہاری آنکھیں ہیں اور تمہاری کوئی آنکھ نہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہزاروں تمہاری شکلیں ہیں اور تمہاری کوئی شکل نہیں
ہزاروں تمہارے خوب صورت پاؤں ہیں اور تمہارے
کوئی پاؤں نہیں۔
ہزاروں تمہاری ناکیں ہیں اور تمہاری کوئی ناک نہیں
تمہاری ان انوکھی اداؤں نے مجھے حیران کر رکھا ہے
تمام مخلوق کے اندر اسی کا نور ہے
اس کے نور کی روشنی سے سب کے اندر روشنی ہے
لیکن اس نور کا علم مرشد کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے
خدا کی آرتی یہ ہے کہ اس کی رضا کے سامنے
سر جھکا دیا جائے
ہری کے پاؤں کے پھولوں کے رس کے لیے
میرا من للچاتا ہے۔ ہر روز مجھے اس رس
کی پیاس لگی رہتی ہے
اس نانک پپیہے کو اپنے مہر کا پانی دو
تاکہ اس کی برکت سے میں تمہارے نام پر
ثابت قدم رہوں۔

جب بابا نانک یوں محویت کے عالم میں اس لافانی کی توصیف میں گا رہے تھے تو کیا پجاری کیا زائرین سب بابا نانک کے گرد اکٹھا ہو گئے اور بابا کی آرتی سن کر نہال ہو ہو گئے۔

جب گرو نانک مکہ معظمہ پہنچے وہ تھک گئے تھے۔ لمبی مسافت طے کر کے آتے تھے۔ مکہ شریف پہنچ کر بابا لیٹ کر سو گئے۔ سوتے ہوتے ان کے پاؤں کعبہ شریف کی طرف ہو گئے۔ اس طرف تو حاجی کا سر ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ وہاں کا رواج ہے۔ رات کو چوکیدار گھومتا ہوا ادھر آیا اور یہ دیکھ کر کہ کوئی مسافر کعبہ کی طرف پاؤں کئے لیٹا ہے، غصّے سے تھر آ اٹھا۔ وہ چلایا "کون ہو تم جو یوں کعبہ شریف کی طرف پاؤں کئے لیٹے ہو"۔ چوکیدار گرو نانک کے ساتھ سختی سے پیش آنے ہی والا تھا کہ بابا کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے کہا "اے نیک شخص! میں طویل مسافت کی وجہ سے تھک گیا ہوں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تم میرے پاؤں ادھر کردو جہاں خدا نہیں۔" "جہاں خدا نہیں!" چوکیدار سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ "جہاں خدا نہیں!!" "جہاں خدا نہیں!!!" چوکیدار کا سر چکرانے لگا۔ خدا کا گھر تو چاروں طرف ہے۔ چوکیدار نے بابا کے قدم پکڑے ہوتے تھے اور اسے بجائے اس کے کہ وہ انھیں پلٹ دے اس کا سر ان پر جا گرا۔ وہ بابا کے قدموں کو اپنے اشک عقیدت سے دھو رہا تھا۔ اب وہاں کے حاجی اور ملّا مولوی سب لوگ بابا کے ارد گرد اکھٹے ہو گئے۔ انھوں نے بابا جی سے کئی سوال پوچھے۔ گرو نانک نے کہا۔ "میں نہ ہندو ہوں نہ مسلمان ہوں۔" "ان میں سے کون سا مذہب اچھا ہے؟" عقیدت مند معلوم کرنا چاہتے تھے۔ "نیک اعمال کے بغیر کوئی بھی اچھا نہیں۔" گرو نانک نے جواب دیا بابا نے انھیں ایک خدا سے پیار کرنے کے لیے کہا۔ غرور و تکبّر سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی صلاح دی۔ عبادت کرنے اور صبح راہ پر چلنے کی ہدایت کی۔ ایک دفعہ انھوں نے فارسی کا یہ شعر پڑھے۔

یک عرض گفتم پیش تو در گوش کن کرتار
حقّا کبیر کریم تو بے عیب پروردگار
دنیا مقام فانی تحقیق دل دانی
ممر موئے عزرائیل گرفتہ دل ہیچ نہ دانی
زن پسر پدر برادران کس نیت دستگیر
آخر بے افتم کس نہ دارد چوں شود تکبیر
شب روز گشتم در ہوا گردیم بدی خیال
گاہے نہ نیکی کار کردم مم ای چنیں احوال
بد بخت ہم چو بخیل غافل بے نظر بے باک
نانک بگوید جن ترا تیرے چاکراں پا خاک

(تلنگ صلا ۱)

اے خدا میں تیرے حضور ایک عرض پیش کرتا ہوں۔ سن لو۔ تو حق ہے کبیر اور کریم ہے۔ اے پروردگار تو بے عیب ہے مجھے معلوم ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور موت برحق ہے میں یہ جانتا ہوں۔ بیوی بیٹا باپ یا بھائی کوئی بھی مدد کو نہ آئے گا جو میری تقدیر میں لکھا ہے کوئی اسے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بدل نہیں سکتا میں نے شب و روز فضول برائی سوچنے میں گذارے
ہیں میں نے کبھی نیک کام نہ کیا یہ میرا حال ہے میں بدبخت، بخیل،
غافل، بے نظر اور بے باک ہوں۔ نانک کہتا ہے لیکن میں تیرا ہوں
تیرے غلاموں کے پاؤں کی خاک ہوں۔

(تلنگ صلا ۱)

گرو نانک نے ہندو مذہب میں ذات پات کے احساس کی سب سے زیادہ مذمت کی۔ ادنیٰ ذات، کے لوگوں سے "اعلیٰ ذات" والے زمانۂ قدیم سے بے انصافی کرتے آئے تھے۔ ہندوستان میں آنے کے بعد ہندوؤں کے زیر اثر ذات پات کا یہ زہر کسی حد تک مسلمانوں میں بھی سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ان میں بھی سید اور مولوی، شیخ اور مسلّی، بھنگی اور چمار کئی طرح کی ذاتیں بن گئی تھیں۔

ایک دفعہ بابا سید پور پہنچے۔ شہر میں پہنچ کر انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھائی لالو ترکھان (بڑھئی) کے گھر ٹھہریں گے۔ اتفاق سے جس روز بابا نانک شہر میں پہنچے اسی روز وہاں کے چودھری ملک بھاگو کے گھر ایک بہت بڑی ضیافت تھی چودھری بھاگو نے فریب و ریا کے ساتھ بہت دولت جمع کر رکھی تھی۔ اس روز کی ضیافت میں بہت سے سنت اور فقیر شامل ہو رہے تھے۔

بابا نانک دانستہ ملک بھاگو کے ہاں نہیں گئے۔ انھوں نے اس دن کا کھانا بھائی لالو کے ساتھ کھایا۔ جب ملک بھاگو کو معلوم ہوا اسے سخت غصّہ آیا۔ لیکن گرو نانک کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ دولت کے متعلق ان کی رائے تھی۔

گناہوں کے بغیر جمع نہیں ہوتی
مرتے وقت ساتھ نہیں جاتی

مہاویر یا گوتم بدھ کے برعکس بابا نانک کسی راجہ یا نواب کے گھر پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک معمولی گاؤں کے پٹواری کے بیٹے تھے۔ بچپن میں کھیلتے ہوئے ان کے ساتھی ہمیشہ غریبوں کے بچے ہوتے یا وہ بچے جنھیں ادنیٰ ذات میں شمار کیا جاتا تھا سلطان پور میں جب بابا نانک کو ربّانی نور کی جھلک نظر آئی تب انھیں جو بھی ملنے آتا ان کی تعلیم یہی ہوتی۔ محنت کرو اور بانٹ کر کھاؤ۔ محنت و مشقت کی زندگی پوجا پاٹھ سے کہیں بہتر ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بابا نانک کی ہمدردی ہمیشہ غریب اور نادار کے ساتھ رہی۔ وہ دکھی لوگوں کا دکھ بانٹتے رہے۔ جب بابر نے پنجاب پر حملہ کیا تو بابا نانک نے ظلم وستم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کے اندر کا شاعر یہ خون وخرابہ دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ بابا نانک نے پنجاب کے لوگوں کا دُکھ دیکھ کر اعلیٰ پایہ کی شاعری میں کہا!

اس نے خراسان پر قبضہ کیا اور ہندوستان پر حملہ کیا
پروردگار مغل کو موت کی طرح ہم پر کیوں مسلّط کیا؟
اتنے ظلم ہوئے کہ ہم رو دیے
کیا تمہیں درد کا احساس نہ ہوا؟

گر ظالم، ظالم پر حملہ کرتا۔ میں شکایت نہ کرتا۔ لیکن جب زور آور شیر، غریب گایوں کے ریوڑ پر ٹوٹ پڑے تو اس کی ذمہ داری مالک پر عائد ہوتی ہے۔

موتیوں کو خاک میں ملا دیا
ان کتّوں کو کچھ درد نہ آیا

مالک تو خود ہی ملا کر جدا کر دیتا ہے، تیری رضا تو ہی جانے
جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر من مانی عیش وعشرت کرتا ہے
مالک کی نظر میں وہ دانے چنتا ہوا کیڑا ہے۔

نانک جو نفسانی خواہشات کو مار کر زندہ رہتا ہے وہی کچھ پا سکتا ہے۔

کسی حملہ آور کے بارے میں یہ سب کچھ کہنا بہت ہمّت کی بات تھی۔ خصوصاً ایسے حملہ آور کے متعلق جس نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسے اپنا وطن بنانے کا دل میں عہد کر رکھا تھا۔ 'بابر وانی' میں اور بھی اشعار ہیں جن میں حملہ آور کی مذمت کی گئی ہے انھوں نے اس وقت کی بے دین اور بداطوار ہندو سوسائٹی کو نہیں بخشا تھا جس نے اس مصیبت کو دعوت دی تھی۔

وہ حسین گیسوؤں والیاں۔
جن کی مانگ میں سیندور تھا
ان کے گیسو کاٹ دیے گئے
ان کی مانگ میں دھول ہے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

انھوں نے رام کو یاد نہیں کیا
وہ اب خدا کا بھی نام نہیں لے سکتیں

اپنی زندگی کے آخری ایام میں بابا نانک کرتارپور میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ یہاں انھوں نے کاشتکاری شروع کی۔ ان کے عقیدت مند اور سکھ بھی ان کے ساتھ آکر شامل ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ کرتارپور میں سب اکٹھے رہتے تھے۔ کھیتی باڑی کرتے اور مشترکہ لنگر میں سے کھانا کھاتے تھے۔ اشتراکی بود و باش کا شاید ہمارے ملک میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ سردار خوشونت سنگھ اپنی کتاب "ہسٹری آف دی سکھس" میں لکھتے ہیں۔

"دوسرے بھگتوں نے ذات پات کے بغیر سماج کا صرف زبان ہی سے ذکر کیا تھا۔ لیکن بابا نانک نے 'گرو کا لنگر' شروع کر کے ذات پات کے زہر کو جڑ سے اکھاڑنے کی عملی کوشش کی۔ اس طرح کے لنگر جہاں جہاں ان کے پیرو تھے شروع کئے گئے اور انھوں نے سکھوں کو اس کے لیے آمادہ کیا کہ وہ ذات پات کو بھول کر ایک جگہ مل کر کھانا کھائیں۔"

گرو نانک نے اپنے آپ کو ادنیٰ سے ادنیٰ کے ساتھ ملایا۔ وہ اپنے آپ کو 'نانک داس' 'نانک بے چارہ' 'ادنیٰ سے ادنیٰ' پکارتے رہے۔ آپسی میل جول اور برادرانہ جذبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اعلیٰ ذات والے سب سے نچلی سیڑھی پر آکر بات کریں۔ گرو نانک نے بالکل ایسا ہی کیا۔

ادنیٰ ذاتوں میں سب سے ادنیٰ میری ذات ہو
نانک ان کے ساتھ میرا ساتھ ہو
میں بڑے لوگوں کی برابری کیوں کروں؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرو کے نقش قدم پر

وہ گرو نانک کے تخت پر جلوہ گر ہوا
مرشد کا نور شاگرد میں ظاہر ہوا

سکھ مذہب کے سب سے قدیم مورخ بھائی گرُداس نے دوسرے سکھ گرو انگند دیوجی کے گرو گدی پر بیٹھنے کے متعلق یوں لکھا ہے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ جب کسی بھی سکھ گرو صاحب کے گدی پر بیٹھنے کا وقت آتا تو بابا نانک جی کا نوران میں جاگ اٹھتا۔ یوں گرو نانک ہی دوسرے نو (۹) جامہ ہا میں اجاگر ہوتے مانے گئے ہیں۔ اسی لیے گرو نانک دیوجی کے بعد آئے گرو صاحبان اپنے کلام میں خود کو 'نانک' کے نام سے لکھتے ہیں۔ شاعری کی زبان میں انھوں نے اپنا تخلص 'نانک' ہی لکھا ہے۔

گرو انگد دیوجی نے جب اپنے ورثے پر نظر ڈالی تو انھیں اس بات کا سب سے زیادہ احساس ہوا کہ بابا نانک نے بھائی چارے، یک جہتی اور اتفاق کی طرف دھیان دیا تھا۔

گرو نانک دیوجی نے اپنے ہم عصر صوفیوں، سنتوں اور بھگتوں ہی کی طرح ذات اور مذہب کے فرق کو بالکل تسلیم نہیں کیا۔ ان کی نظر میں جدا جدا مذاہب اور الگ الگ ذاتوں کا آپس میں میل جول سماج کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہندو اور اسلام مذہب کو سطحی طور پر ملا دینے سے مسئلہ سلجھنے والا نہیں اور نہ ہی ان دونوں مذہبوں کے مشترکہ عقائد کو چُن کر ان کی آمیزش سے کوئی بات بنائی جا سکتی ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مسلمان کو اچھا مسلمان ہونا چاہئے اور ہندو کو اچھا ہندو۔ اور یوں روحانی طور پر بلند ہوتے لوگ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ایک دوسرے کو بہتر سمجھ سکیں گے جہاں کہیں بابا نانک گئے وہاں انھوں نے "منجیاں" قائم کیں جہاں ان کے سکھ اور عقیدت مند خواہ وہ ہندو تھے یا مسلمان صبح و شام مل کر بیٹھتے اور روحانی غور فکر کرتے و نیز سماجی مسائل کو حل کرتے۔

گو کہ بابا نانک فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ لیکن انھوں نے ان دونوں زبانوں کو اپنے پیغام کا ذریعہ نہیں بنایا۔ انھوں نے عام لوگوں کی زبان کو اپنایا اور اس کے ساتھ ساتھ مقامی بولیوں کو بھی عزت کا مقام دیا۔ عوام کی زبان کو اپنانے کی وجہ سے وہ عام لوگوں کے نزدیک رہے۔ مادری زبان اپنانے کی وجہ سے عوام میں ذات پات اور مذہب کی خلیج کچھ حد تک پر ہو جاتی ہے۔ لوگ زبان کے وسیلہ سے ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ گرو نانک نے سماج کے اس اہم مشترکہ ورثے پر بہت زور دیا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لائے گرو نانک نے دیکھا کہ ہندو سنسکرت کی طرف روز بروز مائل ہو رہے ہیں اور مسلم فارسی کو زیادہ سے زیادہ اپنا رہے ہیں۔ بابا نانک اور بھگتی لہر کے دوسرے عظیم سنتوں نے اس رجحان کو دبانے میں مدد دی۔ ان لوگوں نے "سدھوکڑی" نامی ایک بولی کا استعمال شروع کیا۔ جو سنتوں، مہاتماؤں، بھگتوں اور فقیروں کی مشترکہ زبان بن گئی۔

گرو نانک نے اپنے کلام میں شاعری کی ان اصناف کا استعمال کیا جو عام لوگوں میں مقبول تھیں۔ ان کے اوزان اکثر لوک گیتوں اور قصّوں کی دھنوں پر مبنی ہوتے تھے۔ گرو نانک نے جہاں سہ حرفی، بارہ ماسا، کافی وغیرہ جو کہ مسلم عوام میں مقبول تھے اپنائے وہاں اشٹ پدی، دوہا، سلوک وغیرہ جو کہ ہندوؤں میں رائج تھے، کا بھی استعمال کیا۔ انھوں نے تشبیہات و استعارے کا انتخاب عام آدمی کی روزمرہ کی زندگی سے کیا۔ جیسے چرخہ، بابل کا گھر، خاوند دلہن وغیرہ۔ لیکن ان کا استعمال ندرت اور تازگی لیے ہوتے ہے۔

کیونکہ نظم کو یاد رکھنا آسان ہے اور اسے زبانی ایک سے دوسرے تک پہنچانا سہل ہے، وہ تمام تصنیفات جو گرو نانک نے اپنے مقتدوں کے لیے ورثہ میں چھوڑی ہیں سب نظم میں ہیں اور آج یہ ہماری بے بہا وراثت ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کا تقریباً تمام کلام گایا جا سکتا ہے اور وہ راگوں کی دھنوں میں بندھا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور یہ راگ اس زمانہ میں ہر دلعزیز تھے۔ کئی مرتبہ گرو نانک کسی لوک دھن پر بھی اشعار کہہ دیتے۔ ایسے موقعہ پر وہ اپنے کلام کے شروع میں اشارہ کر دیتے کہ یہ شبد فلاں دھن پر فلاں قصّے کی طرز پر گایا جائے۔ 'آسادی وار' کے آغاز میں یہ ہدایت درج ہے۔

"وار سلوکوں کے ساتھ اول گرو نے لکھی ہے اور ٹنڈا اسراج کی دھن پر گائی جائے۔"

گرو نانک تارک الدنیا بھی تھے اور دنیا دار بھی ــــ سنت بھی تھے دھرماتما بھی۔ ایک بیوی کے شوہر بھی تھے دو بچوں کے والد بھی۔ وہ ایک بہن کے لاڈلے بھائی تھے، ایک ذمہ دار خاوند تھے۔ پیار کرنے والے والد تھے۔ لیکن کسی ایک بچّے کے ساتھ ــــ ضرورت سے زیادہ وابستہ نہیں تھے۔ جب اپنا جانشین نامزد کرنے کا وقت آیا تو اپنے دونوں صاحبزادوں کے بجائے گرو انگد دیو جی کو گرو گدّی بخشی۔ انھوں نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھی اس لائق نہیں سمجھا۔ گرو نانک کی زندگی میں یہ ایک بہت بڑا امتحان تھا۔ ان کے دونوں بیٹے گرو گدّی پر اپنا حق سمجھے ہوئے تھے۔ ایک نے تو شادی تک نہ کی تھی۔ تمام عمر وہ بغیر شادی کے رہے۔ گرو نانک کو یہ منظور نہیں تھا وہ عام شادی شدہ زندگی کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اپنے جانشین کے طور پر اپنے عقیدت مندوں میں سے انھوں نے بھائی لہنا کا انتخاب کیا۔ اپنے انگ کے ساتھ انھیں لگایا اور بھائی لہنا انگد بن گئے اور گرو نانک کی جوت ان میں داخل ہو گئی۔

ایک مرتبہ مالو شاہ بابا نانک کے حضور میں آیا۔ مالو شاہ مغل فوج میں اردلی تھا۔ گرو نانک نے اسے تعلیم دی کہ اسے اپنے مالک کے لیے وفادار رہنا چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ مغل بادشاہ مصیبت میں تھا۔

بابر کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی شیر شاہ نے اسے شکست دے دی۔ جب ہمایوں پسپا ہو کر بھاگ رہا تھا وہ کھڈور میں گرو انگد جی سے دعا لینے کے لیے آیا۔ اس وقت گرو اپنے عقیدت مندوں کے درمیان بیٹھے کیرتن سن رہے تھے۔ مغل شہنشاہ کو اس وجہ سے کچھ انتظار کرنا پڑا۔ ہمایوں کو یہ گستاخی محسوس ہوئی اور اس نے غصّے میں اپنی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے کہ وہ گرو پر حملہ کرنے والا ہے۔ گرو بالکل پرسکون رہے اور انھوں نے ہمایوں سے کہا "جہاں تلوار اٹھانی چاہیئے تھی، وہاں تو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اٹھائی نہیں بزدلوں کی طرح میدانِ جنگ سے بھاگ آئے ہو اور یہاں ایک درویش پر اس طرح اپنا غصّہ اتار رہے ہو۔ اپنا رعب دکھا رہے ہو۔" ہمایوں یہ سن کر سخت شرمندہ ہوا اور گرو صاحب سے معافی مانگی۔

۔ گرو انگد دیو جی نے اسے گرو نانک دیو جی کے یہ بول یاد دلائے۔

"وہ 78' میں آئے اور 97 میں جائیں گے۔ ایک دوسرا مردِ شمشیر اٹھے گا اور وقت سچ ثابت کرے گا۔"

گرو صاحب نے ہمایوں کو صلاح دی کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ کچھ وقت کے لیے ہندوستان چھوڑ کر چلا جائے اور جیسا کہ بابا نانک نے پیشین گوئی کی تھی وہ واپس آئے گا اور دوبارہ اپنا تخت سنبھال سکے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمایوں نے پھر ہندوستان پر حملہ کیا اور شیر شاہ کو شکست دے کر تخت پر قابض ہوا۔

گرو انگد دیو جی بچوں سے بہت محبت کرتے تھے اور ان میں ہر طرح سے دل چسپی لیتے تھے۔ وہ بچوں کو جمع کر کے ان کے کھیلوں کے مقابلے کرواتے اور انعام تقسیم کرتے۔ وہ بچوں کی تعلیم کی طرف خاص دھیان دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بچوں کو ان کی مادری زبان ہی میں تعلیم دینی چاہیئے۔ اس لیے انھوں نے گورمکھی رسم الخط کو رائج کیا اور اس میں جو ترمیم و اصلاح کی ضرورت تھی وہ کی۔ گرو انگد دیو جی کی پنجابی زبان کو یہ عظیم دین ہے۔ ویسے ہی جس طرح گرو نانک دیو جی نے پنجابی زبان کو اپنے پیغام کا ذریعہ بنایا تھا۔ گورمکھی رسم الخط کے پیدائش کے بارے میں خواہ کچھ اختلاف ہو لیکن اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ گرو انگد دیو جی نے اس کے پرچار میں اہم کردار ادا کیا۔

جب گرو انگد دیو جی کا جانشین منتخب کرنے کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے ایک عقیدت مند گرو امر داس کو یہ عزت بخشی۔ گرو انگد دیو جی کے بیٹوں کو یہ فیصلہ منظور نہیں تھا۔ وہ تو خود گرو گدّی پر نظریں لگائے بیٹھے تھے۔ گرو انگد دیو جی نے انھیں سمجھایا۔ اس طرح کی عزت اسے ہی ملتی ہے جس کا یہ حق ہو۔ جس نے اس کے لیے محنت و مشقت کی ہو۔

گرو امر داس جی 73 برس کے تھے جب وہ گرو گدی پر متمکن ہوتے۔ ایک ایسا مرید جسے اپنے مرشد کی خدمت کا فخر حاصل تھا۔ وہ جو گرو مہاراج کہتے وہی کر کے خوش ہوتے۔ جہاں گرو مہاراج بتاتے وہیں رہ کر راضی رہتے۔ اس پر اپنے گرو کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

رحمت ہوئی اور انھیں مالک کے عہدے سے نوازا گیا اور تیسرا گرو قائم ہوا۔

گرو نانک نے سنگت پر زور دیا تھا۔ بابا نانک کے سکھ صبح و شام مل کر بیٹھتے اور خدا کی صفت و توصیف میں شامل ہوتے۔ کیرتن کرتے اور سنتے۔ گرو امرداس جی نے تو گرو نانک دیو جی کی قائم کی ہوئی 'منجیوں' کو پھر سے شروع کیا۔ اس طرح کی (22) منجیاں قائم کی گئیں ہر منجی کی رہبری کوئی عقیدت مند سکھ کرتا تھا۔ انھوں نے بابا نانک کے پیغام کو دور دور تک پہنچانے کے لیے 106 پرچارک (مبلغ) مقرر کئے۔ جن میں 52 عورتیں تھیں۔ یہ لوگ جگہ جگہ جاکر گرو کے پیروؤں کی روحانی ضرورت کو پورا کرتے تھے۔

گرو امرداس کی ایک نئی دین جو کہ انھوں نے سکھ پنتھ اور سکھ فکر کو دی وہ پنگت کے رواج کو رائج کرنا ہے۔ سکھوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ مل کر کھائیں۔ انھوں نے لنگر کا رواج شروع کیا۔ جہاں ہر ایک کے لیے ذات پات کے فرق کو بھول کر ایک صف میں بیٹھ کر کھانا کھانا ضروری تھا۔ گرو امرداس کی یہ ہدایت تھی۔ جو کوئی ان کے حضور میں باریابی چاہے پہلے وہ ان کے لنگر میں کھانا ضرور کھائے۔ اس طرح ہندو سماج میں ذات پات کی لعنت ختم کرنے میں کسی حد تک کامیابی ہوئی اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے نزدیک آنے لگے۔ پڑوسیوں میں پیار اور بھائی چارا بڑھا۔

گرو امرداس نے ستی کے رواج کے خلاف آواز اٹھائی اور بیوہ کی شادی کی پرزور حمایت کی۔

جوں جوں سکھ مذہب کی تبلیغ بڑھ رہی تھی نئے نئے عقیدت مند گوئندوال آتے اور ان میں سے کئی وہیں رہ جاتے۔ گوئندوال شہر کی رونق بڑھتی گئی کئی ایک معزز مسلم خاندان بھی اس شہر میں آکر بس گئے۔

ایک مرتبہ شہنشاہ اکبر لاہور جاتے ہوئے دریائے بیاس عبور کر رہا تھا کہ اس کے دل میں گرو امرداس کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے گرو جی کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا اور جس جگہ سے وہ دریا عبور کر رہا تھا وہاں سے کھڈور زیادہ دور بھی نہ تھا۔ گرو جی کے حضور میں باریابی سے پہلے شہنشاہ کو بھی لنگر چکھنا پڑا۔ کہتے ہیں کہ شہنشاہ اکبر نے ادنیٰ و اعلیٰ ذات کے لوگوں کے ساتھ ایک ہی صف میں بیٹھ کر لنگر کھایا اور پھر گرو صاحب کے درشن کے لیے حاضر ہوا۔ اکبر گرو امرداس سے اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ملاقات کے بعد بہت متاثر ہوا۔ رخصت ہوتے ہوئے مغل بادشاہ نے لنگر کے لیے ایک جاگیر پیش کی۔ گرو مہاراج رضامند نہیں ہوتے "ہمارے یہاں ہر روز جو چڑھاوا آتا ہے، ہم اسے اسی روز تقسیم کر دیتے ہیں۔ دوسرے روز کے لیے کبھی کچھ بچا کر نہیں رکھتے"۔ لیکن شہنشاہ انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہو رہے اس کار عظیم میں اپنا حصہ بھی ڈالنا چاہتے تھے اور دوسری طرف گرو اپنے اصول کی وجہ سے مجبور تھے۔ آخر اکبر کو ایک ترکیب سوجھی "میں آپ کی بیٹی بی بی بھانی کو ایک گاؤں بطور تحفہ دے سکتا ہوں"۔ بادشاہ نے کہا "بی بی بھانی میری بھی بیٹی ہے جیسے آپ کی"۔ گرو صاحب کے لیے اب انکار کرنا ناممکن ہو گیا اور بادشاہ نے اپنی من مانی کر لی۔ اسی جگہ وقت گذرنے کے ساتھ سکھوں کا مشہور شہر امرتسر بسایا گیا۔ گرو امرداس کے داماد گرو رام داس چوتھے گرو تھے جو جاگیر انھیں شہنشاہ کی طرف سے ملی اس کا استعمال انھوں نے اس عظیم کام کے لیے کیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت کے کچھ کٹر ہندوؤں نے شہنشاہ سے شکایت کی کہ گرو امرداس جی سنسکرت کے استعمال سے انکار کرتے ہیں اور وہ ہندو مذہب کے کئی رسم و رواج سے بھی منحرف ہو گئے ہیں۔ گرو جی نے فرقہ وارانہ اتفاق و اتحاد کو مدنظر رکھتے ہوئے شہنشاہ کا مشورہ مان لیا اور ہندو مذہبی مقامات کی زیارت کی۔ شہنشاہ نے اس قدم کی تعریف کرتے ہوئے گرو مہاراج اور ان کے پیروؤں پر زیارت کا ٹیکس معاف کر دیا۔ کہتے ہیں جہاں جہاں بھی گرو تشریف لے جاتے، عقیدت مند امنڈ امنڈ کر ان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے اور فضا "ست سری اکال" کے نعروں سے گونجتی رہتی۔

چوتھے سکھ گرو رام داس جی کے متعلق ستا بھٹ نے راگ رام کلی میں یوں فرمایا ہے:

"نانک تم، لہنا تم، ہو گرو امرداس بھی"۔

ست گرو نانک کی جوت جو گرو انگد صاحب میں داخل ہوئی اور پھر سری گرو امرداس میں جلوہ گر ہوئی اب وہ گرو رام داس میں ظہور پذیر تھی۔ گرو رام داس صرف سات سال گرو گدی پر براجمان رہے۔ ان کی سکھ پنتھ کو سب سے بڑی دین امرتسر کا شہر ہے۔ جسے انھوں نے اس جاگیر پر تعمیر کرنا شروع کیا جو شہنشاہ اکبر نے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان کی اہلیہ بی بی بھانی کو بطور تحفہ دی تھی۔ شہر کا نام اس متبرک تالاب کے نام پر رکھا گیا جس کے پانی کو امرت جیسا مانا جاتا تھا۔

گرو رام داس سکھ پنتھ کے لیے ایک مرکزی جگہ اور ایک مرکزی زیارت گاہ قائم کروانا چاہتے تھے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سب کے لیے ان کے پاس وقت نہیں تھا اور وہ اپنے سب سے چھوٹے صاحبزادے گرو ارجن دیو کو گرو نامزد کرنے کے بعد رحلت فرما گئے۔ گرو ارجن دیو حساس دل شاعر تھے اور ایک ذی فہم عالم بھی۔ ان کے گرو نامزد ہونے پر ان کا سب سے بڑا بھائی پرتھی چند سخت ناخوش تھا۔ اس نے سمجھا کہ اس کا حق چھین لیا گیا ہے۔ اس نے ہر طرح کی غلط حرکتیں کرنی شروع کر دیں۔ گرو ارجن دیو جی اس سب کی پرواہ کئے بغیر گرو رام داس کے شروع کئے ہوئے کام کو سرانجام دینے میں مشغول تھے۔

انھوں نے امرتسر میں سری ہرمندر کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ جب سکھوں کی اس خاص زیارت گاہ کے سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو انھوں نے لاہور کے ایک مسلم صوفی فقیر میاں میر کو اس کے لیے مدعو کیا۔ گرو کے سکھوں کی خواہش تھی کہ ہرمندر شہر کی سب سے بلند عمارت ہو۔ گرو جی کو یہ بھی منظور نہیں تھا۔ انھوں نے ہرمندر کو بہت نیچی جگہ پر بنوایا اور اپنے سکھوں کو ہدایت دی کہ عجز جیسی کوئی صفت نہیں اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سری ہرمندر صاحب کے چاروں اطراف چار دروازے ہوں گے۔ ہر کوئی کسی بھی راہ سے اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ ہر مذہب، ہر ذات کے لیے ہرمندر کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کھلے ہیں۔ کسی سے کوئی فرق نہیں روا رکھا گیا۔

جن دنوں گرو ارجن دیو کئی ایک تعمیری کاموں میں منہمک تھے انھیں اطلاع ملی کہ پرتھی چند زائرین میں اپنی نظمیں گرو بانی کے نام سے تقسیم کر رہا ہے۔ یوں کئی عقیدت مندوں کو گمراہ کیا جا رہا تھا۔ گرو صاحب یہ جان کر بہت فکرمند ہوئے۔ انھوں نے سوچا اگر اس رجحان کو روکا نہ گیا تو گرو بانی کی عظمت اور پاکیزگی کو خطرہ ہے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ گرو بانی کو مرتب کیا جائے اور پھر ایک جلد میں محفوظ کر دیا جائے۔ اس لیے انھوں نے سوچ سمجھ کر ایک تجویز تیار کی۔ تمام بانی کو جمع کیا گیا اور پھر اسے ایک خاص طریقے سے لکھا گیا۔ اس طرح گرو گرنتھ صاحب نامی مقدس کتاب

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تیار ہوئی۔ اس میں سکھ گرو صاحبان کے علاوہ دیگر کئی ہندو اور مسلم سنتوں اور فقیروں کے کلام کو بھی شامل کیا گیا۔ دنیا کے روحانی ادب میں یہ پہلی مثال ہے کہ ایک مذہب کی مذہبی کتاب میں دوسرے مذاہب کے رہنماؤں، مفکروں اور شعراء کا کلام بھی مکمل احترام کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ فرقہ وارانہ ارتباط اور سماجی میل جول کی ایسی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

لیکن پرتھی چند اپنے غم و غصے کو بھول نہیں سکا۔ اس نے گرو گھرانے کے خلاف ہر طرح کی سازشیں جاری رکھیں اور مغل دربار میں پہنچ کر شکایت کی کہ گرو گرنتھ صاحب میں ہندو مذہب اور اسلام کے خلاف کلام شامل کیا ہوا ہے۔ اکبر بادشاہ نے تحقیق کروائی اور اسے یقین ہو گیا کہ اس الزام میں کوئی صداقت نہیں۔ شہنشاہ اکبر گرو گرنتھ جیسی عظیم تخلیق دیکھ کر عش عش کر اٹھا۔ بادشاہ نے گرو صاحب کے ان سکھوں کی جو گرو گرنتھ صاحب کی جلد اس کے پاس لے کر گئے تھے بہت خاطر و مدارت کی۔ نوع نوع کے تحائف انھیں اور ان کے ذریعے گرو صاحب کو بھجوائے اور وعدہ کیا کہ وہ بذات خود امرتسر آ کر اس عظیم کتاب کو نذرانۂ عقیدت پیش کرے گا۔

بادشاہ نے اپنا وعدہ فراموش نہیں کیا۔ پہلی فرصت میں وہ امرتسر کی زیارت کے لیے آیا۔ گرو صاحب کے کئی عظیم کاموں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور بطور عقیدت قیمتی تحائف پیش کئے اور گرو صاحب سے التجا کی کہ وہ شہنشاہ اور اس کی رعایا کی بہبودی کے لیے دعا فرمائیں۔ گرو مہاراج کے کہنے سے بادشاہ نے امرتسر کے تمام علاقہ کا لگان معاف کر دیا کیوں کہ اس سال بارش نہیں ہوئی تھی۔

بدقسمتی سے اکبر جیسا فراخ دل اور انصاف پسند بادشاہ زیادہ مدت تک زندہ نہ رہا۔ اس کے بعد جہاں گیر تخت پر بیٹھا۔ گو اکبر نے اپنا جانشین خسرو کو نامزد کیا تھا۔ جہاں گیر عیش پرست بادشاہ تھا۔ وہ شراب کا شوقین تھا۔ کہتے ہیں کہ ملک کی تمام ذمہ داری اس نے اپنی ملکہ نور جہاں اور درباریوں پر چھوڑ رکھی تھی۔

ایک مرتبہ جب شہنشاہ کشمیر جا رہا تھا، اس نے پیغام بھیجا کہ گرو صاحب اسے لاہور میں ملیں۔ دراصل جہانگیر کو یہ شکایت تھی کہ تخت نشینی کے معاملے میں گرو گھرانے کی زیادہ ہمدردی خسرو کے ساتھ تھی۔ جہانگیر نے یہ بات تو نہ کہی لیکن گرو صاحب سے کہا کہ گرو گرنتھ صاحب میں ہندو مذہب اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اسلام کے بارے میں جہاں جہاں ذکر آیا ہے، اس کی اصلاح کر دی جائے۔ گرو گرنتھ صاحب کا کلام تو الٰہی کلام ہے۔ اسے کوئی کیوں کر بدل سکتا تھا؟ اس وجہ سے جہاں گیر نے گرو صاحب پر دو لاکھ کا جرمانہ عائد کر دیا۔ گرو صاحب نے جہانگیر سے کہا کہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سکھ قوم کی امانت ہے اور گرو گرنتھ صاحب کا کلام خدا کی توصیف میں ازلی کلام ہے اس میں کوئی ترمیم ممکن نہیں۔ بادشاہ کو کشمیر جانے کی جلدی تھی۔ وہ کوئی فیصلہ کئے بغیر کشمیر چلا گیا اور معاملہ لاہور کے قاضیوں کے سپرد کر دیا گیا۔

شہنشاہ کے جانے کے بعد لاہور کے قاضی نے فیصلہ سنایا کہ اگر گرو ارجن دیو صاحب دو لاکھ روپے جرمانہ ادا نہیں کرتے تو انھیں سخت ترین اذیت پہنچائی جائے۔

کہتے ہیں کہ گرو صاحب کو گرم توے پر بٹھایا گیا اور ان کے ننگے بدن پر گرم ریت ڈالی گئی۔ انھیں اُبلتے پانی کی دیگ میں بٹھایا گیا۔ جب گرو جی کو اس طرح اذیت پہنچائی جا رہی تھی۔ تو لاہور کے پیر میاں میر پریشان ہو کر آئے۔ گرو ارجن دیو جی کی اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے "میں اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ آپ کو اس طرح اذیت پہنچانے والوں کو میں بمعہ کنبہ ختم کر سکتا ہوں۔ غم و غصّہ کی وجہ میاں میر یہ سب کہہ رہے تھے کہ گرو ارجن دیو نے انھیں پرسکون رہنے کے لیے کہا۔ انھوں نے میاں میر کو یاد دلایا کہ خدا کی رضا کے بغیر ایک پتّا بھی نہیں ہل سکتا انسان کو راضی برضا رہنا چاہیئے۔

لاہور کے حکمراں گرو ارجن دیو جی کو اسی طرح پانچ دن تک شدید تکالیف پہنچاتے رہے لیکن وہ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ نہ وہ گرو گرنتھ صاحب میں ترمیم کے لیے رضامند ہوئے اور نہ ہی دو لاکھ کا جرمانہ ادا کرنے کے لیے راضی ہوئے۔ آخر ایک دن گرو صاحب نے غسل کے لیے مانگ کی۔ لاہور کے قلعے کے ساتھ راوی میں انھیں غسل کے لیے لے جایا گیا۔

راہ میں ان کے ہزاروں عقیدت مند آنکھوں میں اشک نذرانہ لیے کھڑے تھے۔ گرو کا ننگا بدن آبلوں سے چمک رہا تھا۔ ان کے پاؤں میں چھالے تھے اور وہ بمشکل چل پا رہے تھے اور گرو بار بار یہی دہرا رہے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تیری رضا میٹھی لاگے
نام کی نعمت نانک مانگے

جب وہ راوی کے کنارے پہنچے تو انھوں نے اپنے ہزار ہا اشک بار سکھوں سے وداع لی اور راوی کی موجوں نے آگے بڑھ کر امن کے پجاری اہنسا کے اوتار گرو ارجن کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔

وہ آخری دیدار تھا جو گرو ارجن دیو کے عقیدت مندوں نے کیا جن میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔

گرو ارجن دیو کی شہادت پنجاب میں اہنسا کی اول مثال ہے۔ اس طرح جس قوم کے گرو کو شہید کیا گیا، اس کے پیروؤں نے اپنی فکر اپنے مقاصد کا از سر نو جائزہ لیا۔ گرو ارجن دیو جی کی شہادت سکھ تاریخ میں ایک سنگ میل بن کر رہ گئی۔

اس گھڑی سے سکھ فرقے نے اہنسا کا سبق سیکھا اور یہ بھی سیکھا کہ اپنے عقائد، اپنی قوم، سچائی اور آزادی کے لیے خواہ جان بھی قربان کرنی پڑ جائے تو بھی بدی اور بے انصافی کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیئے۔

گرو ارجن میں گرو نانک اور ان کے بعد کے تین گرو صاحبان کے تمام اعلیٰ اوصاف موجود تھے۔ انھوں نے ہندو اور اسلام مذہب کے اعلیٰ مقاصد کو اپنے آپ میں سمو لیا تھا۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ لوگوں میں محبت اور برادرانہ اخوت کا جذبہ بڑھایا جائے۔ امن و سکون، محبت و عقیدت اور سماجی خدمت ان کے اہم مقاصد تھے۔

گرو ارجن صاحب کی قربانی نے سکھ مذہب کو ایک موڑ دے دیا جہاں ان کی شہادت بابا نانک کے دکھائے ہوئے امن کے راستے کا ایک لاثانی نمونہ ہے، وہاں ان کے بعد گرو گدی پر جلوہ فگن گرو ہرگوبند ایک نئی راہ کے راہ نما بنے جس کی سنہری مثال گرو گوبند سنگھ جی تھے۔ تمام عمر انھوں نے بدی کے خلاف جدوجہد کی اور اس جنگ میں انھوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پارسا سپاہی

گروارجن دیوجی کی شہادت ایک ناگزیر سانحہ تھا۔ بدی اتنا زور پکڑ گئی تھی اور حالات اس تیزی سے بگڑ رہے تھے کہ جو کچھ ہوا یوں لگتا ہے وہ ہو کر رہنے والا تھا۔ گرو جی نے جتنے بھی عظیم کام ہاتھ میں لیے تھے وہ سب مکمل کر لیے تھے۔ امرتسر میں ہرمندر اور متبرک تالاب مکمل ہو جانے سے سکھ بھائی چارہ متحد ہو گیا تھا جس میں اتحاد اور برادرانہ جذبہ زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ ہرمندر صاحب کے ارد گرد جو شہر وجود میں آیا گویا وہ سکھ دینا کے لیے دارالخلافہ بن گیا۔ گرو گرنتھ صاحب کا کلام ہر طرح کے عقیدت مندوں کے لیے راہ نما کا کام دینے لگا۔

گروارجن دیو نے خدا کی رضا پر سر تسلیم خم کیا۔ ہر طرح کی اذیت و صعوبت برداشت کر گئے۔ لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کے نام جو آخری پیغام بھیجا، اس میں ہدایت کی کہ انھیں آئندہ پیش آنے والی جدوجہد کے لیے تیاری کرنا چاہیئے۔ اور یہ جدوجہد بہت مدت تک چلنے والی تھی۔ چھٹے گرو ہرگوبند جنھوں نے گروارجن دیو جی کے بعد گرو گدی سنبھالی ایک عزم محکم کے مالک تھے۔

کہا جاتا ہے کہ گرو گدی سنبھالتے وقت سکھ قوم کے قابل احترام بزرگ بھائی بڈھا گرو ہرگوبند جی کے لیے 'سیلی' لائے جو کہ بابا نانک کے وقت سے ہر گرو صاحب کو سر پر پہننے کے لیے پیش کی جاتی تھی 'سیلی' ترک دنیا کی علامت تھی۔ سری ہرگوبند رائے نے کمال احترام سے سیلی کو ایک طرف رکھا اور بھائی بڈھا سے کہا کہ وہ ان کے لیے تلوار لائیں۔ بھائی بڈھا حکم کے مطابق تلوار لے آئے۔ بھائی بڈھا نے تلوار الٹے ہاتھ سے لا کر دی۔ یہ دیکھ کر گرو جی نے ایک اور تلوار لانے کے لیے فرمایا۔ جب دوسری آئی تو گرو صاحب کہنے لگے میں دو تلواریں زیب تن کروں گا۔ ایک تلوار 'طاقت' کی ہوگی اور دوسری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تلوار 'عبادت' کی ہوگی۔ ایک تلوار پیری کی ہوگی اور دوسری تلوار امیری کی ہوگی۔
اب گرو کے سکھوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں کے استعمال کا علم بھی حاصل کریں۔ خدا کا نام لینے کے ساتھ ساتھ گھڑسواری بھی کریں۔ یوں پارسا سپاہی کی روائت شروع ہوئی۔ یہ روایت آج تک جاری ہے۔ گرو سکھ آج بھی خدا میں یقین رکھتا ہے اور اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنے عقائد کے لیے لڑنے مرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔

اب گرو کے سکھوں میں صرف انکساری ہی نہیں تھی۔ ان میں ایک نئی جرأت بھی آگئی تھی اور وہ صرف ترک اور حلیمی ہی میں عظمت نہیں سمجھتے تھے؛ انھوں نے ہتھیار زیب تن کر لیے تھے اور ہمہ وقت تیار رہنے لگے۔ وہ کسی کو ڈراتے نہیں تھے اور خود کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ اب وہ گھوڑے پالتے اور ان کی دلچسپی شکار اور نیزہ بازی جیسے مشاغل میں زیادہ رہنے لگی۔ گرو مہاراج نے باقاعدہ فوج رکھنی شروع کر دی جس میں کئی درجے کے سورما تھے۔ ملک کے چپے چپے سے سکھ نوجوان گرو ہرگوبند جی کی فوج میں بھرتی ہونے کے خواہش مند رہتے۔ کہیں کسی کو کوئی عمدہ گھوڑا ملتا یا کسی کے ہاتھ کوئی اچھا ہتھیار آتا وہ گرو کی خدمت میں پیش کر کے بہت خوش ہوتا۔ گرو گوبند قلعے تعمیر کرنے میں بہت دلچسپی لیتے۔ اپنے سر پر ہمیشہ کلغی پہنتے۔ بچے اور بوڑھے، ہندو، مسلمان انھیں 'سچا پادشاہ' کہہ کر پکارتے تھے۔

یہ تمام خبریں دلی کے مغل بادشاہ کے پاس پہنچ رہی تھیں۔ آخر جہاں گیر نے ہرگوبند جی کو دلی مدعو کیا تاکہ ان کے ساتھ تفصیل سے گفتگو ہو سکے۔ دراصل گرو ارجن دیو جی کی شہادت کی وجہ سے جہاں گیر کا ضمیر اسے ہمیشہ ملامت کرتا رہتا تھا۔ کہتے ہیں جہانگیر گرو مہاراج کو دیکھ کر ان کے جمال اور جلال سے حد متاثر ہوا۔ پہلی بات جو جہاں گیر نے گرو صاحب سے پوچھی وہ یہ تھی ــــ ہندو مذہب اچھا ہے یا اسلام؟ گرو ہرگوبند نے گرو بانی سے یہ الفاظ دہرائے:

اوّل اللہ نے نور پیدا کیا
قدرت کے سب بندے
اک نور سے تمام کائنات بنی
پھر کون بھلا تو کون برا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خالق خلق میں ہے
خلق میں خالق ہے
وہ سب جگہ ہے
مٹی ایک ہی ہے
بنانے والا طرح طرح کے برتن بنا دیتا ہے
نہ ان برتنوں میں کچھ عیب ہے
اور نہ ہی بنانے والے کمہار میں
سب میں وہی سمایا ہے
وہ جو چاہے ہو جاتا ہے
جو اس کے حکم کو پہچان کر بجا لایا
وہی اس کا اصلی بندہ ہے
اللہ کی صفت بیان سے باہر ہے
میرے گرو نے میٹھا گڑ دیا اور کبیر کہتا ہے
میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور میں ہر جگہ
خدا کو دیکھتا ہوں۔

یہ سن کر جہاں گیر بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ گرو صاحب شکار کھیلنے کے بہت شوقین ہیں تو بادشاہ نے گرو صاحب کو شکار کھیلنے کے لیے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ گرو ہرگوبند بخوشی تیار ہو گئے۔ اتفاق سے اس روز جنگل میں شکار کرتے ہوئے بادشاہ پر ایک خونخوار شیر نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر درباریوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ جو کوئی شیر پر تیر چلاتا، تیر خطا ہو جاتا۔ یوں لگتا تھا کہ شیر جہانگیر پر جھپٹ کر اس کی تکا بوٹی کر دے گا۔ تب گرو ہرگوبند شمشیر لے کر آگے بڑھے اور شیر کا مقابلہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ شہنشاہ یہ دیکھ کر گرو صاحب کا بہت ممنون ہوا اور دونوں کی دوستی پر اس واقعہ سے مکمل مہر لگ گئی۔

اب جہاں گیر گرو صاحب کا اس قدر گرویدہ ہو گیا کہ اس نے انھیں دوسرے دورے پر بھی ساتھ چلنے کے لیے اصرار کیا۔ اس دورے کے دوران گرو صاحب کا خیمہ ہمیشہ بادشاہ کے خیمے کے پہلو میں نصب ہوتا تھا۔ ایک روز آگرہ کے نزدیک ایک

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

درخت کے نیچے شہنشاہ ستسنار ہے تھے کہ ایک گھسیارا یہ سن کر کہ گرو ہرگوبند جی بھی بادشاہ کے ساتھ آئے ہیں، وہاں حاضر ہوا اور ایک ٹکا بادشاہ کے سامنے رکھ کر سجدہ کیا اور کہا "سچے پادشاہ میں گناہ گار ہوں۔ میرے گناہ معاف کیجئے اور مجھے آواگون کے چکر سے چھٹکارہ دلوایئے"۔ یہ سن کر بادشاہ مسکرایا اور کہا "سچا پادشاہ سامنے خیمے کے اندر ہے"۔ یہ سن کر گھسیارا اپنا ٹکا اٹھا کر گرو مہاراج کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ گھسیارے کے جانے کے بعد جہانگیر نے محسوس کیا۔ حقیقت میں سچا پادشاہ وہی ہے جو سکون اور دائمی خوشی حاصل کروا سکے۔

آگرہ کے دورے کے دوران جہاں گیر بیمار ہوگیا۔ درباری حکیم اور ویدا پنی سعی کر چکے لیکن جہاں گیر کی حالت میں کچھ افاقہ نہ ہوا۔ پھر یہ فیصلہ ہوا کہ جیوتش کے ماہرین کا مشورہ لیا جائے۔ جہاں گیر کا ایک درباری چندو شاہ گرو جی سے اس لیے ناراض تھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے چندو شاہ کی بیٹی کا رشتہ قبول نہیں کیا تھا۔ چندو شاہ نے جیوتشیوں کے ساتھ سازش کی اور بادشاہ کو کہلوایا کہ بادشاہ کی بیماری ان کے ناموافق ستاروں کے اتحاد کی وجہ سے ہے۔ اس کا رد یہ ہے کہ کوئی روحانی شخص گوالیار کے قلعے میں جا کر ریاضت کرے۔ گرو ہرگوبند کے علاوہ روحانی شخص دوسرا کون ہو سکتا تھا اور پھر گرو اور شہنشاہ نئے نئے ہی دوست بنے تھے۔ سو فیصلہ ہوا کہ گرو مہاراج سے التماس کی جائے کہ وہ گوالیار کے قلعے میں جا کر ریاضت کریں۔ گرو جی چندو کی کرتوت سے واقف تھے پھر بھی وہ گوالیار جانے کے لیے تیار ہوگئے۔ انھوں نے اپنے ساتھ صرف پانچ عقیدت مند لیے۔ گرو صاحب کے سکھ خواہ وہ امرتسر میں تھے یا دہلی میں خوش نہیں تھے۔ دوسری طرف گوالیار کے قلعے میں قید کئی ہندو راجہ بہت خوش ہوئے۔ گوالیار کے قلعے کا ایک حصہ راجاؤں کو نظر بند کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ گرو صاحب نے دیکھا کہ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ گرو جی کے قلعے میں پہنچنے کے بعد ان کی حالت سدھر نے لگی۔ ان کے رہن سہن کو بہتر بنایا گیا۔ وہ لوگ صبح و شام گرو جی کی صحبت میں یاد خدا میں لگ گئے۔ اس دوران چندو شاہ نے قلعے کے گورنر کو خفیہ خط لکھا کہ کسی طرح گرو صاحب کو زہر دے کر ختم کر دیا جائے۔ چندو یہ نہیں جانتا تھا کہ گورنر ہری داس گرو صاحب کا عقیدت مند ہے۔ ہری داس نے وہ خط لا کر گرو صاحب کو پیش کر دیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ادھر شہنشاہ صحت یاب ہوگیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ گرو صاحب کو دلّی واپس بلا لیا جائے۔ لیکن وہ قلعے سے باہر آنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے قلعے میں قید راجاؤں کو رہا کیا جائے۔ پھر ہم باہر آئیں گے۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا؟ قلعے میں قیدی راجے کچھ ایک تو سیاسی قیدی تھے اور کچھ نے ٹیکس ادا نہیں کیا تھا۔ آخر جہاں گیر کو یہ احساس دلایا گیا کہ اس کی صحت گرو صاحب کی ریاضت کا صدقہ تھی اس لیے گرو صاحب کی سفارش مان لینی چاہیئے۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ قلعے میں قید راجاؤں کو رہا کرنے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ آج تک گوالیار قلعے کا ایک حصّہ جس میں گرو صاحب آکر رہے تھے 'بندی چھوڑ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دلی میں جب جہاں گیر اور گرو صاحب کی ملاقات ہوئی تو گرو صاحب نے بادشاہ کو سمجھایا کہ ستاروں کا خراب ہونا کوئی بات نہیں، خدا کا نام کہیں بھی تمام تکالیف کو دور کر سکتا ہے۔ اب گرو صاحب نے جہاں گیر کے سامنے چندو شاہ کی کرتوتوں کا تمام بیان رکھ دیا۔ شہنشاہ پہلے ہی یہ جانتا تھا کہ گرو ارجن دیو جی کو جو لاہور میں اذیت پہنچائی گئی تھی، اس میں چندو شاہ کا ہاتھ تھا۔ اور اب گوالیار کے قلعے کے گورنر ہری داس کے نام اس کے خط نے چندو کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ شہنشاہ نے غصّے میں آکر چندو کو گرو صاحب کے حوالے کر دیا کہ جو چاہیں سزا دیں۔

جب شہنشاہ نے سنا کہ گرو ہرگوبند واپس امرتسر جانے کی بابت سوچ رہے ہیں تو جہاں گیر نے التجا کی کہ کچھ دن اور ٹھہر جائیں۔ بادشاہ بھی کشمیر جا رہا تھا اور وہ دونوں مل کر امرتسر تک چلیں گے اور بادشاہ کو گرو صاحب کی صحبت کا زیادہ موقعہ مل جائے گا۔

اس سفر میں گرو صاحب کا خیمہ ہمیشہ شہنشاہ کے خیمے کے ساتھ نصب ہوتا۔ نور جہاں اکثر گرو صاحب کے دیدار کے لیے حاضر ہوتی۔ نور جہاں اپنے زمانے کی بے حد حسین خاتون سمجھی جاتی تھی۔ گرو جی نے اسے سمجھایا 'عورت کا حسن اس کی پاک دامنی ہے۔ عورت وہی خوب صورت ہے جو اپنے شوہر کے لیے وفادار ہو'، نور جہاں یہ سن کر مسحور ہوگئی۔

راستے میں شہنشاہ نے فیصلہ کیا کہ وہ گوئندوال اور امرتسر ہو کر آگے جائینگے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

امرتسر میں نورجہاں گروصاحب کی محلات سے بھی ملی۔ انھوں نے بھی نورجہاں کو اسی طرح کی نصیحت دی۔

سری نگر، کشمیر میں ایک بھاگ بھری نامی ضعیفہ گردگھرانے کی معتقد تھی۔ اس نے کئی برسوں کی محنت سے ایک ریشمی چوغہ تیار کیا اور اس کی یہ زبردست خواہش تھی کہ کسی طرح وہ اپنے ہاتھوں سے چوغہ گروصاحب کی نذر کرے۔ چوغے کے لیے ریشم کاتتے ہوئے، کپڑا بنتے اور سیتے ہوئے اس کی نظر بھی کمزور ہوگئی تھی۔ عقیدت مند کی ضد! سینکڑوں میل دور وہ کیوں کر جائے گی؟ اور گروصاحب کو کشمیر آنے کی فرصت کہاں تھی؛ لیکن بھاگ بھری کو دن رات یہی لگن رہتی اور وہ اپنا چوغہ گروصاحب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی تھی۔ اور پھر ایک دن بھاگ بھری کی خوشی کی حد نہ رہی۔ گرو مہاراج خود اس کے گھر آ پہنچے۔ کئی سو میل دور انھوں نے بھاگ بھری کی پکار سن لی تھی۔ اس کے صحن میں داخل ہوتے ہی انھوں نے چوغے کی فرمائش کی۔ بھاگ بھری کی آنکھوں کا نور جا چکا تھا۔ اس نے گروصاحب کو چوغہ پہنایا اور ہاتھ لگا لگا کر دیکھتی رہی کہ گروصاحب کے بدن پر چوغہ ٹھیک آیا ہے کہ نہیں۔

سری نگر جاتے ہوئے گروصاحب ایک شب اپنے ایک عقیدت مند کٹوّ شاہ کے یہاں ٹھہرے تھے۔ یہ جان کر کہ آج کل گروصاحب سری نگر تشریف فرما ہیں، ان کے سکھ جوق در جوق ان سے ملنے چل دیے۔ ان میں سے کچھ ایک عقیدت مند راہ میں کٹوّ شاہ کے یہاں ایک رات ٹھہرے۔ کٹوّ شاہ نے دیکھا کہ گروصاحب کی زیارت کے لیے جا رہے لوگوں کے پاس ایک شہد کا برتن بھی ہے۔ وہ لوگ شہد گروصاحب کی نذر میں پیش کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ کٹوّ شاہ کا دل چاہا کہ وہ شہد کو چکھ کر دیکھے کہ وہ کیسا تھا جسے لوگ اتنے پیار سے گرو کے لیے لے جا رہے تھے۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا۔ گرو کے عقیدت مند تو اس برتن کی طرف کسی کو دیکھنے تک نہ دیتے تھے۔ بوند بوند کر کے انھوں نے طرح طرح کی خوشبوؤں کا شہد اکٹھا کیا تھا۔ کٹوّ شاہ نے ایک آدھ بار پھر درخواست کی لیکن لوگوں نے سنی ان سنی کر دی۔ جب گرو کے سکھ سری نگر پہنچے تو انھوں نے شہد کا وہ برتن گروصاحب کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ گروصاحب نے برتن کھول کر شہد چکھنا چاہا۔ جب برتن کا ڈھکن کھولا گیا تو عقیدت مند یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہد خراب ہو چکا تھا اس میں سے بو آ رہی تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عقیدت مند بے چارے شرمندہ ہونے لگے۔ گرو صاحب مسکرا رہے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے سکھوں کو بتایا "تم نے میرے کٹو شاہ جیسے معتقد کو شہد چکھنے کے لیے نہیں دیا۔ اس طرح کا نذرانہ گرو صاحب کیسے قبول کر سکتا ہے؟ گرو کا سکھ بھی گرو جیسا ہی عظیم ہوتا ہے۔"

اس دوران جہاں گیر کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ شاہجہاں نے تخت سنبھال لیا۔ گرو صاحب کے کابل میں ایک سکھ نے یہ سن کر کہ گرو صاحب کو عمدہ گھوڑوں کی سواری کا بہت شوق ہے، ان کے لیے ایک لاکھ روپے سے خرید کر ایک بہترین گھوڑا بھیجا۔ جب گھوڑا دریائے اٹک پار کر رہا تھا وہاں کے مغل اہل کار گھوڑے کی شان دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ ایسا گھوڑا تو شہنشاہ کے اصطبل کی زینت ہونا چاہیئے۔ لیکن گرو کے سکھوں کو یہ منظور نہیں تھا۔ جس گھوڑے کو ستگرو کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا بادشاہ کو وہ گھوڑا کیوں کر دیا جا سکتا تھا۔

اٹک کے صوبے دار نے لاہور خبر بھیجی اور جب سکھ گھوڑا لے کر لاہور میں داخل ہوئے شاہ جہاں کے اہل کاروں نے زبردستی وہ گھوڑا اپنے قبضے میں لے لیا اور شہنشاہ کی نذر کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد شہنشاہ اور گرو صاحب ایک ہی جنگل میں شکار کر رہے تھے۔ شہنشاہ کے پاس ایک سفید رنگ کا نایاب باز تھا جو اسے ایران کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ شکار کرتے ہوئے کسی طرح مغل بادشاہ کا وہ باز سکھوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ یہ لوگ باز واپس کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یہی نہیں جب بادشاہ کے اہلکار باز کے لیے تقاضا کرنے آئے۔ ان کی خوب پٹائی کی اور خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ سکھوں کو ابھی تک اس بات کی رنجش تھی کہ ان لوگوں نے گرو صاحب کے لیے بھیجا ہوا گھوڑا راستے میں ہتھیا لیا تھا۔

ایک بادشاہ یہ سب کچھ کیوں کر برداشت کر سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد جب گرو مہاراج اپنی بیٹی کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے، شاہ جہاں کے ایک سپہ سالار مخلص خاں نے امرتسر پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مخلص خاں جو یہ سوچتا تھا کہ شام تک وہ باز اور گرو صاحب کا سر دونوں اپنے قبضے میں کرنے کے بعد لاہور لوٹ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آئے گا، اپنی تمام فوج گنوا کر خالی ہاتھ لوٹنے پر مجبور ہو گیا۔

اس کے بعد کرتار پور میں شاہی افواج کے ساتھ گرو کے سکھوں کی ایک دوسری مڈبھیڑ ہوئی۔ وہاں بھی مغل افواج کو منہ کی کھانی پڑی۔

جب گرو ہرگوبند کرتار پور میں تھے ایک دن سیر کرتے ہوئے انھیں بیاس دریا کے کنارے ایک نہائت پرفضا جگہ نظر آئی۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اس جگہ ہرگوبند پور نام کا شہر بسایا جائے۔ جب شہر بن کر تیار ہو گیا تو گرو صاحب کے حکم کے مطابق شہر کے گردوارے کے ساتھ مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی۔

شہنشاہ کا باز ابھی تک گرو صاحب کے قبضے میں تھا اور تنازعہ کی جڑ بن گیا تھا۔ انہی دنوں 'دل باغ' اور 'گل باغ' نام کے دو گھوڑے کابل کے سکھوں کی جانب سے گرو صاحب کو بھیجے گئے۔ ان گھوڑوں کا بہت چرچا تھا۔ دریا عبور کرتے وقت کیا مجال کہ وہ اپنے سوار پر پانی کی ایک بوند بھی پڑ جانے دیں۔ دوڑتے وقت جیسے ان کے پاؤں زمین کو نہ چھوتے تھے۔ امرتسر کے راستے میں مغل اہل کاروں نے ان گھوڑوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں صوبے کے گورنر کے پاس بھیج دیا۔

اس واقعہ کے بعد پھر مغل افواج کے ساتھ سکھوں کی جھڑپ ہوئی۔ گرو کے سکھوں نے دونوں گھوڑے کسی نہ کسی طرح چھڑا لیے۔ مغل صوبیدار کو یہ گوارہ نہ ہوا۔ لڑائی میں پھر مغل فوج کی شکست ہوئی۔ قیامت کا خون خرابہ ہوا دونوں اطراف کا بے حد نقصان ہوا۔ گرو ہرگوبند کی فوج میں پیندہ خان نامی اونچا لانبا سورما تھا۔ تمام فوج میں اس جیسا بہادر نہیں تھا کوئی۔ گرو مہاراج اس کی بہت خاطر مدارت کرتے تھے۔ سب سے خوب صورت وردی پیندا خاں کو دی جاتی۔ عمدہ ترین گھوڑا پیندا خاں کے حصے میں آتا۔ کوئی سوغات ہو تو سب سے بڑھیا شے پیندا خاں کو بھیجی جاتی۔ یوں لگتا ہے کہ اس سب کی وجہ سے پیندا خاں کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اس نے اندرونی طور پر مغل حکمرانوں سے سازش شروع کر دی۔ اسے گرو جی کی فوج کے تمام راز معلوم تھے وہ مغل فوج میں جا ملازم ہوا۔ اس کی وہاں بھی خوب تواضع ہونے لگی۔ پیندا خاں بے انتہا طاقت کا مالک تھا۔ کہتے ہیں وہ تنہا ایک ہاتھی سے لڑائی کر سکتا تھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور دھات کے روپے کو چٹکی سے دبا دیتا تھا۔ پیندا خاں نے مغل صوبیدار کو بتایا کہ سکھ فوج میں 'ادنیٰ ذات' کے غریب غربا بھرتی کئے ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی درزی ہے تو کوئی نائی، کوئی سلّی ہے اور کوئی چمار، انھیں شکست دینا کچھ مشکل نہیں۔

یہ فیصلہ ہوا کہ کالے خاں کی زیر کمان گرو ہرگوبند صاحب کے خلاف فوج بھیجی جائے۔ کالے خاں کی مدد کے لیے پیندا خاں کو تعینات کیا گیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس جھڑپ میں سکھ فوج کے 700 سورما شہید ہوئے۔ ادھر مغل فوج کا بھی بے حد نقصان ہوا۔ کالے خاں، پیندا خاں اور دوسرے کئی مشہور سورما لڑائی میں مارے گئے۔

جب مغل فوج واپس ہوئی تو گرو صاحب نے بھی کیرت پور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بڈھن شاہ نامی ایک مسلم فقیر سے بابا نانک نے وعدہ کیا تھا کہ ان کی ششم جوت گرو ہرگوبند صاحب کے ہاتھوں ان کی نجات ہوگی۔ اب بڈھن شاہ کا وقت آخر نزدیک تھا اور اسے ہر پل گرو صاحب کا انتظار تھا۔ یوں ایک الگ تھلگ شہر میں بمعہ اپنے کنبہ گرو صاحب کا چلے جانا اس بات کی بھی شہادت ہے کہ وہ اس لگاتار خون ریزی سے اکتا گئے تھے۔ اتنی بہت سی جانیں بے کار چلی گئی تھیں۔

گرو ہرگوبند رائے اپنے پوتے ہر رائے جی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ اسے جانشینی کے لیے تیار کر رہے تھے۔ گرو ہرگوبند بہت بہادر سورما تھے۔ اونچے لانبے، ان کے چہرے کا جلال لاثانی تھا۔ گھڑ سواری اور شکار کے دلدادہ بوقت ضرورت جنگ سے بھی نہیں کتراتے تھے۔ امن اور جنگ دونوں میں وہ یکساں اپنے ارادت مندوں کے لیڈر رہے تھے۔ ایک سچے سورما کی طرح وہ جہاں تک ممکن ہوتا جنگ کو ٹالتے رہتے لیکن جب انھیں یقین ہو جاتا کہ لڑائی ٹالی نہیں جا سکتی تو بدی کے خلاف تلوار اٹھا لیتے اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ ان کی شکست ہوئی ہو۔ پھر بھی میدان جنگ میں مار دھاڑ اور خون ریزی دیکھ کر ان کا دل رو دیتا۔ آخر انھوں نے اپنے جانشین کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے صرف 2000 سپاہی اپنے پاس رکھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اپنے آخری دم تک ان کے اندر کا سورما ان بہادر سکھوں کو یاد کرتا رہا جنھوں نے مغلوں کے خلاف لڑائیوں میں شہادت پائی تھی۔ گرو مہاراج ہمیشہ یہی کہتے تھے، کیوں دنیا میں جنگ ہمیشہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کے لیے ختم نہیں ہو جاتی ؟ کیوں معصوم زندگیوں کا آئے دن نقصان ہوتا رہتا ہے؟

گرو ہرگوبند صاحب کی یہ ایک عظیم دین ہے کہ انھوں نے سکھ مذہب کو ایک نیا موڑ دیا۔ سکھ رہن سہن کو ایک نئی راہ دی۔ انھوں نے پارسا لوگوں کو سپاہی بنایا اور اس کی بنیاد ان کی روحانی قوت تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اہنسا اگر خوف اور مجبوری کی وجہ سے اختیار کی جائے تو وہ بزدلی ہے۔ صرف سورما اور بہادر ہی اہنسا کی قدر کر سکتے ہیں۔ ایک ایسی قوم کے روحانی رہنما جسے وجود میں آئے ایک صدی ہوئی تھی حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے کیونکہ اس وقت کے شہنشاہ کی افواج سے کئی بار جنگ کی اور پھر بھی ہر بار ان کی فتح ہوئی۔ اس لیے کہ سچ ان کے ساتھ تھا۔ گرو ہرگوبند کا ساتھ سچائی کا تھا۔ تمام لڑائیاں انھوں نے اپنے دفاع میں کیں۔ کبھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ یہ نیا موڑ جو چھٹے گرو صاحب نے سکھ فکر کو دیا، اس کی سنہری مثال ان کے پوتے دسویں گرو سری گرو گوبند سنگھ میں ملتی ہے۔

گرو ہر رائے اس وقت 14 برس کے تھے جب انھوں نے گرو گدی سنبھالی۔

جب شاہ جہاں نے گرو ہر رائے صاحب کے گرو گدی پر جلوہ افروز ہونے کے متعلق سنا تو اس نے بھی فیصلہ کر لیا کہ سکھوں جیسی غیور اور بہادر قوم کے ساتھ اتفاق سے رہنا چاہیئے۔ اسی لیے جب اس کا بیٹا دارا شکوہ بیمار ہوا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو شاہ جہاں نے گرو صاحب سے دعا کے لیے درخواست کی۔ کہتے ہیں گرو ہر رائے جی نے کوئی جڑی بوٹی بھیجی جس کے استعمال سے شہزادہ صحت یاب ہو گیا

لیکن دلی دربار کے ساتھ سکھوں کی یہ دوستی وقتی ثابت ہوئی۔ کچھ عرصے کے بعد شاہ جہاں کے تیسرے بیٹے اورنگ زیب نے تخت پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھائی دارا شکوہ کو دلی سے نکال دیا۔ یوں در بدر بھٹکتا ہوا دارا شکوہ گرو صاحب کے حضور حاضر ہوا۔ گرو گھرانے کی روایت کے مطابق گرو ہر رائے صاحب نے شہزادے کی ہر طرح سے مدد کی۔ انہیں شہزادے کے ساتھ پوری ہمدردی تھی۔ دارا شکوہ ایک عالم اور خدا ترس انسان تھا۔ اس نے گرو صاحب سے کہا کہ اسے دلی کے تخت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسے بس ایک گوشے میں اللہ کا نام لینے کے لیے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چھوڑ دیا جائے۔ اسے اور کچھ نہیں چاہیئے۔ پھر بھی کچھ عرصے کے بعد اورنگ زیب نے دارا شکوہ کو حراست میں لے لیا اور قاضی سے اس کے خلاف فتوا حاصل کرنے کے بعد اپنے سگے بھائی کو ختم کر دیا۔

اس طرح جب اورنگ زیب بے خطر تخت پر قابض ہو گیا تو اس نے سکھوں کی خبر لینے کے متعلق سوچا۔ بہانہ اس کے پاس موجود ہی تھا کہ گرو ہر رائے صاحب نے دارا شکوہ سے ملاقات کی تھی اور ان کی دلی ہمدردی اس کے ساتھ تھی۔

گرو ہر رائے صاحب 30 سال کی کم عمری میں رحلت فرما گئے۔ تاریخ میں ان کی اس بے وقت موت کا کوئی ذکر نہیں۔ لگتا ہے جیسے اچانک ہی وقتِ آخر آ گیا ہو وصال سے پیشتر گرو صاحب نے اپنے بیٹے گرو ہرکشن جی کو گرو گدی کے لیے نامزد کر دیا۔

گرو ہر رائے صاحب اور گرو ہرکشن صاحب کے دور میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سکھ قوم ستانے کے لیے کچھ وقت ٹھہر جائے۔ اس کے بعد انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ بدی، ظلم، لوٹ کھسوٹ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو گا۔

گرو تیغ بہادر جنھوں نے ہرکشن صاحب کے بعد گرو گدی کو سنبھالا، فطرتاً فنکارانہ رجحان کے ایک مفکر انسان تھے۔ لیکن ان دنوں ملک اور خصوصاً پنجاب کے حالات ایسے تھے کہ ان کے لیے امن اور سکون کے ساتھ خدا کی یاد میں زندگی گذارنا مشکل ہو گیا۔

اورنگ زیب خواہ خدا پرست اور پاکباز تھا۔ لیکن وہ دل سے اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ ہندو مذہب میں بت پرستی غلط ہے۔ گناہ ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی ہندو رعایا کو دیوی دیوتاؤں کی عبادت، چھوت چھات، ٹونے ٹوٹکے، اوہام وغیرہ سے چھٹکارا دلوا کر ان کے لیے جنت کے دروازے کھلوا دے۔

اورنگ زیب کی دوسری زبردست خواہش تھی کہ کسی بھی طرح عوام اس کے لیے اچھی رائے قائم کریں۔ اس نے اپنے والد کو بھوکا مروا دیا، اپنے دو بھائیوں دارا اور مراد کو قتل کروا دیا۔ اس نے اپنے بیٹے معظم کی جو بعد میں بہادر شاہ کے نام سے بادشاہ بنا، سخت بے عزتی کی تھی۔ دنیائے اسلام کی اس کے بارے میں بہت خراب رائے تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کی عاقبت سنور جائے۔ اس

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نے سوچا یہ اسی طور ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ہندوؤں کو مسلمان بنا سکے۔ اس کی خواہش تھی کہ ہندوستان کو دارالاسلام بنا دیا جائے۔ ہندو مذہب کو ختم کر دیا جائے کہیں کوئی جنیو نہ پہنے۔ کہیں کوئی تلک نہ نظر آئے۔

اس مقصد کے لیے اورنگ زیب نے اپنے صوبیداروں کو حکم دیا کہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی مہم چلائی جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف کشمیر میں شیر افگن کے ذریعے ہندوؤں سے مسلمان بنائے گئے لوگوں کے جنیو کا وزن سوا من تک پہنچ گیا۔ اورنگ زیب نے دانستہ کشمیر پر زور دیا تھا کیوں کہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ کشمیری برہمن سب سے زیادہ کٹر اور عالم فاضل تھے۔ اورنگ زیب کا خیال تھا کہ کشمیری برہمن ایک دفعہ مسلمان ہو گئے تو ہندوستان کے باقی ماندہ ہندوؤں کا مذہب تبدیل کرانا آسان ہوگا۔

بہت جلد کشمیر کے صوبیدار شیر افگن نے محسوس کیا کہ ہندو اس کے صوبے کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی اس نے سوچا، کہ میرے صوبے میں حکومت کرنے کے لیے رعایا ہی باقی نہیں رہے گی۔ وہ صرف وادی اور برف پوش پہاڑوں پر حکومت کے لیے رہ جائے گا۔ اس نے سوچا ہندوؤں کے رہنماؤں کو بلا کر گفتگو کی جائے۔ شیر افگن نے ہندو رعایا کو اپنی مجبوری بتائی۔ یہ اس کا قصور نہیں تھا۔ اسے تو دلّی سے حکم صادر ہوا تھا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہندوؤں کو چھ مہینے غور وخوض کے لیے دیئے جائیں۔ اس عرصے میں وہ اپنا ارادہ بنالیں گے۔

کشمیری برہمن اب امرناتھ زیارت کے لیے گئے تاکہ انھیں اپنے خدا سے کوئی رہنمائی مل سکے۔ بے چارے بہت پریشان تھے۔ کہا جاتا ہے جب ان کا وفد امرناتھ کے مندر پہنچا۔ ان میں سے پنڈت کرپا رام کو پہلی رات ہی خواب میں شوجی کے دیدار ہوئے اور شوجی نے کہا کہ کل یگ گے اوتار گرو نانک ہیں۔ ان کی نہم (نویں) جوت آج کل گرو گدّی پر جلوہ فگن ہے۔ ان ہی سے تمہیں رہبری مل سکتی ہے۔ کرپا رام نے اپنے اس خواب کا چرچا اپنے دوسرے ساتھیوں سے کیا اور وہ لوگ سیدھے امرتسر آئے۔ وہاں سے وہ آنند پور صاحب پہنچے۔ گرو تیغ بہادر صاحب سے مل کر انھوں نے اپنی تمام داستانِ غم سنائی۔ گرو صاحب سن کر تفکر میں ڈوب گئے۔ اسی حالت میں تھے کہ ان کے نو عمر صاحبزادے گوبند دھر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آ نکلے۔ اپنے والد کو یوں خیالات میں غرق دیکھ کر انھوں نے وجہ پوچھی ۔ اور گرو صاحب نے اسے تمام مسئلہ سمجھایا اور کہا ان کی مدد بس ایک ہی طرح ہو سکتی ہے کہ کوئی عظیم روح اپنے سر کی قربانی دے سکے۔" تو پھر اس زمانے میں آپ سے بڑھ کر عظیم کون ہے،" بیٹے کے منہ سے نکلا۔ گرو تیغ بہادر نے سنا اور انھیں یقین ہو گیا کہ ان کا فرزند گو نو عمر ہے لیکن گرو گدی کی ذمہ داری سنبھال لے گا۔ گرو تیغ بہادر نے کشمیری براہمنوں کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا "تم مغل بادشاہ کو کہلوا دو کہ ہم مسلمان بننے کے لیے تیار ہو جائیں گے، اگر ہمارے گرو تیغ بہادر صاحب کو پہلے مسلمان بنا لیا جائے۔"

یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ کچھ عرصے کے بعد گرو تیغ بہادر صاحب کو دلی بلوایا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی انھیں ان کے ساتھیوں سمیت جیل میں ڈال دیا گیا اور نگ زیب کا کہنا تھا کہ اگر گرو ولی ہیں تو انھیں کوئی کرامات دکھانی چاہیئے۔ گرو مہاراج ہمیشہ کرامات کے خلاف تھے۔ انھیں بابا اٹل کا واقعہ یاد تھا۔ وہ اپنی رہائی کے لیے کوئی بھی بات اپنے ضمیر کے خلاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

پھر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ قاضی نے فتویٰ دیا اور گرو صاحب کو شہید کر دیا گیا۔ گرو صاحب کی شہادت دنیا کی تاریخ میں لاثانی ہے۔ دوسرے لوگوں نے اپنی جانیں دیں تاکہ ان کے مذہب کی حفاظت ہو سکے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی عظیم انسان نے اپنی قربانی دی ہو تاکہ کسی دوسرے کے مذہب کی حفاظت ہو سکے۔ گرو نانک صاحب نے جنیو پہننے سے انکار کیا تھا۔ ان کی نویں جوت گرو تیغ بہادر صاحب نے اپنے سر کی قربانی دی تاکہ ہندوؤں سے ان کا جنیو پہننے کا حق کوئی نہ چھین سکے اور ہر شخص کو اپنے مذہب پر چلنے کا حق حاصل ہو۔

گرو تیغ بہادر صاحب کی شہادت کی وجہ سے ہندوستان میں مذہبی تعصب کو کاری ضرب پہنچی اور لوگوں میں ایک دوسرے کے مذہب کے تئیں عزت کا جذبہ پیدا ہوا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

خالصہ کی پیدائش

گرو تیغ بہادر صاحب کی شہادت نے سکھ قوم کی روح کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ گروارجن صاحب کی لاہور میں شہادت کے بعد گرو تیغ بہادر صاحب کا اس طرح کا ظالمانہ قتل دیکھ کر تمام سکھ قوم ششدر رہ گئی۔ قرب وجوار سے سکھ ارادت مند امنڈ پڑے تاکہ اپنے نوعمر گرو گوبند صاحب کے قریب رہ سکیں۔

گرو گوبند صاحب کی پیدائش 1666ء میں پٹنہ میں ہوئی۔ اپنے والد صاحب کی شہادت پر پریشان ہونے کی بجائے انھوں نے عزم مصمم کر لیا کہ وہ بدی اور مذہبی تعصب کے خلاف جدوجہد کریں گے۔ غریبوں اور یتیموں کی حفاظت کریں گے۔ جو سکھ ان دنوں آنند پور صاحب میں جمع ہوتے، انھیں دسویں گرو صاحب اپنے عہد کے عظیم ترین انسان نظر آئے جو ان کے نجات دہندہ تھے۔

گرو گوبند صاحب سچ مچ ایک انقلابی جنگجو تھے۔ انھوں نے خود کو اور اپنے سکھوں کو مستقبل کی کڑی جدوجہد کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے سماج اور اپنے ملک میں سے مذہبی تعصّب کا زہر بالکل ہی نکال پھینکنا چاہتے تھے۔ بدی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں۔ وہ اونچ نیچ، امیر غریب کے فرق کو مٹانا چاہتے تھے اور گرو نانک کے شروع کئے مذہب کو نئی شکل دینا چاہتے تھے۔ لوگوں کے لیے ایک نیا دروازہ کھولنا چاہتے تھے۔ اورنگ زیب جیسے متعصّب کے دورِ حکومت میں اسلام تنگ نظری اور تعصّب کا نمونہ بن گیا تھا۔ اور ہندو مذہب رسوم کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔

اس لیے تیاری کی ضرورت تھی۔ گرو صاحب کئی برس تک قرب وجوار کے سکھوں سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف رہے۔ بابا نانک کے سکھ کابل قندھار

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بلخ و بخارا تک پھیلے ہوئے تھے۔ حکومتِ وقت کے ساتھ اگر نبرد آزما ہونا تھا تو اس کے لیے اسلحہ جات کی ضرورت تھی۔ گھوڑے درکار تھے اور سورماؤں کی ضرورت تھی جو مر کر جینے کا طریقہ سیکھ سکیں۔

اور پھر گرو صاحب کے عقیدت مند طرح طرح کی سوغاتیں لے کر آنند پور صاحب آنے لگے۔ دُنی چند نامی ایک سکھ کابل سے آیا۔ اس نے گرو صاحب کو ڈھائی لاکھ روپے کا شاہی چترندر کیا۔ آسام کے ایک ہندو راجہ کے یہاں اولاد نہیں تھی۔ اپنی آسام یاترا کے دوران گرو تیغ بہادر صاحب نے اس کے لیے دعا کی تھی۔ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ راجہ خود تو نہیں آیا لیکن اس کی رانی راجکمار کو لے کر آسام سے گرو جی کے دیدار کے لیے حاضر ہوئی۔ بطور شکریہ کئی سوغاتیں ساتھ لائی۔ ان میں ایک بہت ذہین ہاتھی تھا۔ وہ کئی طرح کے احکام بجا لاتا اور لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ وہ گرو صاحب کے پاؤں پانی سے دھو کر تولیے سے صاف کرتا اور گرو صاحب کی کمان سے نکلے تیروں کو اٹھا کر لاتا۔ شب کو مشعل پکڑ کر راستہ دکھلاتا اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے کرتب جانتا تھا۔

گرو صاحب تیراندازی اور شکار کے شوقین تھے۔ جنگل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرضی جنگ کرتے تھے۔ انھوں نے ایک بہت بڑا نقارہ بنوایا تھا اور بموقعۂ ضرورت اسے بجا کر اپنے سکھوں کو جمع کر لیتے تھے۔

گرو جی نے ریسرچ، ادب اور فنونِ لطیفہ کی طرف بھی مکمل دھیان دیا۔ ان کے ساتھ 52 شاعر اور ادیب کام کرتے تھے۔ اکثر مشاعرے اور ادبی نشستیں ہوتی تھیں۔ گرو مہاراج خود فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ ان کی تخلیقات میں ایک جدّت ہے۔ انھوں نے روایت سے ہٹ کر شاعری کی۔ ان کے کلام میں جنگ کی لاثانی مصورکشی ہے، جو لوک کتھاؤں اور اساطیر پر مبنی ہے۔ وہ خدا کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن تلوار سے بھی محبت تھی۔

دسویں گرو صاحب کے چار صاحبزادے تھے۔ اجیت سنگھ، مجھار سنگھ، زورآور سنگھ، اور فتح سنگھ ان کی تعلیم میں گھڑسواری، ہر طرح کے ہتھیاروں کا استعمال، کلاسیکی ادب کو سمجھنا اور اس کی شرح کرنا شامل تھا۔ انھوں نے کئی علماء کو صرف اس کام کے لیے مامور کیا کہ وہ سنسکرت کی ادبی تخلیقات کا لوگوں کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

عام بول چال کی زبان میں ترجمہ کریں۔

1699ء کے بیساکھی کے دن گروصاحب نے قرب وجوار کے عقیدت مندوں کو پیغام بھیجا کہ وہ آنند پور صاحب آئیں۔ آنے سے پہلے وہ اپنے بالوں کو ترشوانا بند کردیں۔ کہتے ہیں اس سال بیساکھی کے میلے میں کئی ہزار سکھ جمع ہوئے۔

اس روز میلہ بھر چکا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ کیرتن ختم ہوا تو گرو مہاراج چمچماتی ہوئی ننگی شمشیر پکڑ کر سامنے آئے اور کہنے لگے۔ میری یہ شمشیر پیاسی ہے۔ اپنی پیاس بجھانے کے لیے اسے ایک سکھ کے خون کی ضرورت ہے۔ کوئی سکھ ہے جو اپنا سر دے سکے؟

لوگوں نے سنا اور سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"کیا اس تمام مجمع میں کوئی نہیں جو میری تلوار کی پیاس بجھا سکے"، گروصاحب نے پھر پکارا

سامنے بیٹھے لوگ زیادہ پریشان ہوا ٹھے۔ یہ وہ کیا سن رہے تھے۔

"کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس بھرے دیوان میں ایک بھی سکھ نہیں جو اپنے گرو کے لیے جان قربان کرسکے"، دسویں گرو نے ہلکارا۔

ابھی یہ الفاظ گروصاحب کی زبان پر ہی تھے کہ لاہور کا ایک کھتری، دیا رام، عمر 30 برس، اٹھا اور آگے بڑھ کر مہاراج کے سامنے آیا۔

"میرا سر اس جہاں میں اور اُس جہاں میں اپنے گرو کی نذر ہے"۔

گروجی اسے بازو سے پکڑ کر اسٹیج کے ساتھ نصب ایک خیمے میں لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد خیمے میں سے کھڑاک کی آواز، اور گرو خون سے بھری شمشیر پکڑ کر اسٹیج پر آئے۔ "مجھے ایک اور سر کی ضرورت ہے"۔ انھوں نے اعلان کیا۔ لوگوں میں کھلبلی پیدا ہوگئی۔ انھیں شک ہونے لگا۔ ان کے گرو ہوش میں تو ہیں؟ پھر بھی اس سے پہلے کہ گرو دوبارہ پکاریں ہریانے کا ایک جاٹ آگے بڑھا اور اس نے اپنا سر اپنے مالک کی خدمت میں پیش کیا۔ اسے بھی گروصاحب خیمے میں لے گئے پھر تلوار کی آواز اور پہلے ہی کی طرح خون سے تربتر تلوار لیے وہ اسٹیج پر آئے۔ "مجھے ایک اور سر کی ضرورت ہے۔ تیسرا سر"۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرو صاحب کا چہرہ جلال سے چمک رہا تھا الفاظ ابھی انھوں نے ادا ہی کئے تھے کہ دور دوار کا سے آیا مکھن چند تیز قدم بڑھاتا ڈائس تک آیا اور اپنے آپ کو حضور میں پیش کر دیا۔ "معاف کرنا ست گرو، غلام پہلے حاضر نہیں ہو سکا۔" پھر اسی طرح تلوار کے چلنے کی آواز اور گرو صاحب خون سے بھری تلوار لیے ڈائس پر تھے۔ ادھر خیمے میں خون کی ندی بہنے لگی تھی۔

لگتا تھا جیسے دسویں گرو کی شمشیر کی پیاس ابھی نہیں بجھی تھی۔ چوتھی مرتبہ وہ خیمے سے نکل کر پھر ایک سر کی مانگ کر رہے تھے۔

ہر اس میں بہت سے لوگ دوڑ گئے تھے۔ کئی بھاگنے کی سوچ میں تھے۔ یہ کیا ہو رہا تھا؟ وہ تو گھر سے بیساکھی منانے چلے تھے اور ادھر ان کا خون ہو رہا تھا۔ پھر بھی اس سے پہلے کہ گرو صاحب اپنی مانگ دوہرائیں جگن ناتھ پوری، اڑیسہ سے سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے آیا ہمت چند گرو مہاراج کے قدموں میں آن گرا۔ پہلے تین سکھوں کی طرح اسے بھی خیمے میں لے جایا گیا۔ پھر تلوار کی بھیانک آواز اور خون کی لہر۔

گرو صاحب کی شمشیر اب خون سے تر بتر تھی۔ وہ پھر اسٹیج پر آئے۔ ویسے ہی جلال میں۔ آنکھوں میں بے انتہا روشنی، چمکتا ہوا چہرہ "مجھے ایک اور سر کی ضرورت ہے۔" گرو صاحب نے پکارا۔ مجلس میں اب کوئی اکا دکا ہی نظر آ رہا تھا۔ لوگ دوڑ کر گرو صاحب کی والدہ محترمہ سے شکایت کرنے چل دئے۔ یہ کیا ظلم ہو رہا تھا۔ اس طرح تو گرو گھرانے کا کوئی عقیدت مند نہیں بچے گا۔ ایک ایک کر کے سب کو قربان کر دیا جائے گا۔

پھر بھی اس دفعہ بیدر کا صاحب چند رآگے بڑھا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔ اس لیے کہ اتنی دیر تک وہ اپنا ارادہ نہیں بنا سکا تھا۔ گرو صاحب اسے بھی خیمے میں لے گئے۔ پانچویں دفعہ تلوار چلی۔ پانچویں دفعہ تلوار کی دل چیرتی ہوئی آواز سنائی دی۔ پانچویں دفعہ لہو کی نہر بہی۔

لوگ پریشان تھے۔ ان کے ہوش و حواس جاتے رہے تھے۔ کسی کو خبر نہیں تھی کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ کہ اتنے میں دسویں گرو خیمے سے باہر آئے ان کے پیچھے پانچوں کے پانچوں سکھ تھے۔ کھلے ہوئے دمکتے چہرے ایک الٰہی جلال ان کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چہروں پر چمک رہا تھا۔ ویسا ہی جیسا ان کے گرو کے چہرے پر تھا۔ لوگوں نے دیکھا اور خوشی سے ناچ اٹھے۔ انھوں نے نعرے بلند کئے "گرو کی جے" "گرو گوبند کی جے" گرو جی نے فرمایا "یہ امر ہیں۔ لافانی ہیں۔ جو لوگ مرنا جانتے ہیں۔ انہیں ہی زندگی ملتی ہے۔"

کہا جاتا ہے۔ کہ جب گرو صاحب کسی کو خیمے میں لے کر جاتے تھے۔ وہاں ہر بار ایک بکرے کو قتل کرتے تھے، اور بکرے کے ہی خون سے لتھڑی تلوار کو باہر لاتے تھے۔

پھر گرو صاحب نے لوہے کا ایک برتن منگوایا۔ اس میں پانی ڈال کر پانچوں پیاروں کو باری باری 'نت نیم' کی ایک ایک بانی پڑھنے کے لیے کہا اور خود اُس وقت دو دھاری خنجر، جسے کھنڈا کہتے ہیں کے ساتھ پانی کو ہلا رہے تھے۔ اس طرح امرت تیار کیا جا رہا تھا اتنے میں ماتا صاحب دیوان جی مجلس میں آئے اور انھوں نے بتاشوں کا پرشاد چڑھایا، گرو صاحب دیکھ کر کہنے لگے، "آپ ٹھیک وقت پر اپنی نذر لائے ہیں۔" اور ماتا صاحب دیوان جی سے بتاشے لے کر برتن کے پانی میں ملا دیے۔ "یہ تو شجاعت کا رحم سے امتزاج ہو گیا ہے۔ کھنڈا میرے سکھوں کو بہادر سورما بنا دیگا۔ بتاشوں کی مٹھاس ان میں محبت کا جذبہ پیدا کرے گی۔ میرے سکھ بہادر بھی ہونگے اور شریف انسان بھی۔"

جب پانچ پیارے اپنا اپنا پاٹھ ختم کر چکے تو گرو جی نے انہیں امرت چکھایا ایک گھونٹ امرت کا، اور وہ پانچوں امر (لافانی) ہو گئے۔ ایک بوند امرت کی اور گرو کے پانچ دلارے سکھ سورما بن گئے۔ ہر بات کا علم حاصل ہو گیا۔

جب پانچوں پیاروں نے امرت چکھ لیا۔ تو گرو صاحب خود ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے حاضر تھے اور امرت کی بخشش کے لیے فرمائش کر رہے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ خود کوئی مرشد اپنے مریدوں سے اس طرح کی مانگ کرے۔ گرو خود چیلا بن جائے۔ امرت کا ایک گھونٹ اور گوبند سے وہ گوبند سنگھ بن گئے اور اسی طرح پانچ پیارے۔ اس کے بعد وہاں حاضر لوگوں کو امرت چکھایا گیا۔ مغل بادشاہ کے ایک روزنامچہ کے مطابق بیس ہزار سکھوں کو اس روز امرت چکھا کر سنگھ سجایا گیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

یوں خالصہ کی پیدائش ہوئی اور ہر ایک سنگھ شیر بن گیا۔ ہر ایک کو مشترکہ برتن میں سے امرت نوش کرنا ہوتا ہے اور اس طرح سب ذات پات اور مذہب کے رشتے کو بھول کر ایک دوسرے سے اتفاق اور برادرانہ رشتے میں منسلک ہو جاتے ہیں۔

گرو صاحب نے اپنے نئے خالصے کو یہ ہدایت دی: بال متبرک ہیں۔ ان کی بے ادبی نہیں ہونی چاہیئے۔ بال خالصے کی نشانی ہیں۔ ہر گرو کے سکھ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی کلائی میں لوہے کا کڑا پہنے۔ کڑا ہمیشہ یہ یاد دلاتا ہے کہ سکھ اپنے گرو کے بندھن میں بندھا ہوا ہے۔ اس کا ساتھ ہمیشہ سچ کا ساتھ ہے۔ امرت چکھے سکھ کو ہمیشہ کچھا پہننا پڑے گا۔ اس سے جسم کی صفائی رہتی ہے اور ہر سکھ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے کرپان (تلوار) اپنے پاس رکھے۔ سکھ اپنے بالوں میں کنگھا بھی رکھے گا تاکہ بال صاف رہ سکیں۔

سری گرو گوبند سنگھ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ یہ وقت کا تقاضا ہے کہ پارسا سپاہیوں کی ایک فوج تیار کی جائے جو بدی کے خلاف، غریبوں کے استحصال کے خلاف اور مذہبی تعصب کے خلاف جنگ کر سکے۔

اس لیے امرت چکھے سکھ پر کئی پابندیاں عائد کی گئیں وہ تمباکو اور نہ ہی کسی اور منشیات کا استعمال کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اپنی بیوی کا وفادار ہونا لازمی تھا۔ شادی شدہ زندگی کی پاکیزگی لازمی تھی۔ سب سنگھ برابر ہیں۔ کوئی اونچ نیچ نہیں۔ ذات پات کا فرق نہیں۔ خالصہ واحد لاشریک پر یقین رکھتا ہے۔ صبح و شام اپنی دعا ادا کرتا ہے۔ دیوی دیوتاؤں کی پوجا میں اسے قطعی یقین نہیں۔ گرو کے سکھ کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاجت مند کی مدد اور کمزور کی حفاظت کرے۔

جو سکھ اس طرح کی طرز زندگی اختیار کر لیں وہ وہ گرو کی مانند ہوتے ہیں۔ گرو خالصہ ہے اور خالصہ گرو ہے۔

امرت چکھنے کے بعد کہتے ہیں گیدڑ شیر بن گئے۔ چڑیا باز سے مقابلہ کرنے لگی۔ ایک سکھ اپنے آپ کو سوا لاکھ کے برابر سمجھنے لگا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اور اس میں کوئی شک نہیں، امرت دھاری سکھوں نے یہ کرامات بار بار دکھائی۔ انھوں نے حکومتِ وقت کے ساتھ چودہ جنگیں کیں اور ان میں سے بارہ میں انھوں نے دشمن کے دانت کھٹے کئے۔ اسے شکست دی اور دشمن کا بے حد نقصان ہوا۔

اس طرح بدی اور بے انصافی کے خلاف جنگ کرتے ہوتے خود گرو گوبند سنگھ جی کو بے انتہا تکالیف اور غم برداشت کرنے پڑے۔ ان کے بزرگ والد شہید ہو گئے، ان کی والدہ محترمہ کا دشمن کی قید میں انتقال ہو گیا۔ دو بڑے صاحبزادے یکے بعد دیگرے دشمن سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے اور ان کا باپ ان گنت فوج کے محاصرے میں اپنی آنکھوں سے یہ الم ناک حادثہ دیکھتا رہا۔ دو چھوٹے صاحبزادے زندہ دیوار میں چنوا دیے گئے۔ ان کے سینکڑوں سورما اور ہزارہا عقیدت مند اپنے گرو کی زیر کمان لڑتے ہوئے پروانوں کی مانند نثار ہوتے رہے۔ ان کے لاثانی گھوڑے اور مسودے تباہ ہو گئے اور پھر ایک ایسا وقت آیا کہ وہ بغیر کسی گھوڑے، بنا ساتھی اور بغیر کسی اسلحے کے جنگلوں میں یک و تنہا مارے مارے پھر رہے تھے۔ ان کا لباس پھٹ چکا تھا۔ پاؤں کے جوتے ٹوٹ چکے تھے اور تلووں میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ یوں اکیلے بغیر کسی ساتھی کے وہ ماچھی واڑے کے جنگل میں پہنچے۔ تھک کر زمین پر بس ایک پتھر کو تکیہ بنا کر لیٹ گئے۔ یہاں انھوں نے اپنا مشہور شبد کہا جس کی مثال ہندوستانی ادب میں مشکل سے ملتی ہے۔

یار پیارے سے
حال مریدوں کا کہنا
بن تیرے کانٹے بن گیا ریشم
بن تیرے سانپوں کے غار میں رہنا
صراحی زہر ہے خنجر پیارہ
نشتر قصاب کے سہنا
یار کی ہمیں کٹیا پیاری
جہنم غیر کے محل میں رہنا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرو گوبند سنگھ جو کبھی اپنے آنند پور کے قلعے میں راجاؤں کی طرح رہتے تھے، جن کی بے انتہا شان تھی۔ آج بے گھر تھے۔ دشمن کی فوج ان کا شہر شہر جنگل جنگل پیچھا کر رہی تھی۔ پھر بھی انھوں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔ ان دنوں ڈنگا نامی ایک شہر سے اورنگ زیب کے اس بلاوے کے جواب میں کہ وہ دلّی میں آکر بادشاہ سے ملیں ایک خط لکھا۔ اسے 'ظفر نامہ' کہا جاتا ہے۔

دسویں گرو صاحب نے اورنگ زیب سے کہا کہ انھوں نے ہتھیار مجبور ہو کر اٹھائے ہیں، اس وقت جب سب حیلے ختم ہو چکے تھے۔

چو کار از ہمہ حیلتے در گذشت
حلال است بردن بشمشیر دست

ظفر نامہ کے کچھ حصوں کا ترجمہ اس طرح ہے:

جب سے تم بادشاہ بنے ہو، تب سے بے انصافی کر رہے ہو۔ انصاف کا کوئی کام تم نے نہیں کیا۔ مل جل کر تم لوگوں نے میرے بیٹوں کو مار ڈالا۔ عورتوں کو قتل کیا، سکھوں کو مار ڈالا۔ ہمارے گھوڑے لوٹ لیے، یہ تمہارا انصاف تھا؟ جب تم پروردگار کی عدالت میں حاضر ہو گے اور وہ تم سے پوچھے گا کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا تو تم اسے کیا جواب دو گے؟ یاد رکھو اب وہ وقت آنے والا ہے تمہیں جو یہ خیال ہے کہ تم قرآن پاک پڑھنے کی وجہ سے بخشے جاؤ گے۔ زبانی قرآن پاک پڑھا تو کیا پڑھا۔ بغیر عمل چھٹکارا نہیں۔۔۔۔! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے بت پرستی ختم کی ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے۔ جب تم نے بت شکست کئے، مندر مسمار کئے، گھر گھر دوسرے بت بن گئے۔۔۔۔ تم خبردار ہو جاؤ خالصے کی پیدائش ہو چکی ہے۔ تم جیسے بت کو مسمار کرنے والا خالصہ پیدا ہو چکا ہے تمہیں چھوڑے گا نہیں۔"

(بھائی سیوا رام کی پرچیوں پر مبنی)

اورنگ زیب یہ خط پڑھ کر سخت نادم ہوا۔ اس نے گرو صاحب پر عائد تمام پابندیاں ہٹا دیں اور حکم دیا کہ گرو صاحب اور ان کے سکھوں کو بالکل پریشان نہ کیا جائے۔ اورنگ زیب کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد بادشاہ زیادہ دن تک زندہ نہیں رہا۔

اورنگ زیب کے اعلان کے بعد گرو صاحب تلونڈی آئے۔ اس جگہ کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آج کل دمدما صاحب کہتے ہیں۔ تلونڈی صابو کا چودھری ڈلاّ گرو صاحب کے دیدار کے لیے آیا۔ ڈلاّ گرو صاحب کے صاحب زادوں کی شہادت پر اظہارِ افسوس کر رہا تھا اور بار بار کہہ رہا تھا ــــ آپ نے مجھے یاد کیا ہوتا۔ چار سو جوان میری نجی فوج میں ہیں۔ میں انہیں آپ کی خدمت میں حاضر کر دیتا۔ ہر ایک آپ پر اپنی جان نچھاور کر دیتا۔ جب ڈلاّ یہ سب کچھ کہہ رہا تھا تو گرو صاحب کا ایک عقیدت مند ایک نئی بندوق لے کر حاضر ہوا۔ گرو گوبند سنگھ بندوق لیکر اس کا معائنہ کرنے لگے اور پھر معلوم نہیں ان کے دل میں کیا خیال آیا کہ اچانک ڈلاّ سے کہا "ذرا اپنے جوانوں میں سے ایک کو بلانا۔ میں اس بندوق کا نشانہ دیکھنا چاہتا ہوں" ڈلاّ کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ آخر ہار کر وہ اپنے جوانوں کی طرف گیا لیکن کوئی بھی اس کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ یوں بندوق کا نشانہ بننے کے لیے کون تیار ہوتا؟ ڈلاّ اپنا سا منہ لے کر لوٹ آیا۔ شرمندگی کی وجہ سے وہ سر نہیں اٹھا رہا تھا۔

جب گرو جی نے یہ دیکھا تو اپنے خدمت گار سے کہا کہ سامنے پگڑی باندھ رہے نوجوانوں میں سے کسی کو جا کر کہے کہ گرو صاحب کو اپنے بندوق کا نشانہ آزمانے کے لیے ایک نفر کی ضرورت ہے۔ گرو کے سکھوں نے جب یہ سنا تو دونوں دوڑے آئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یہ عزت اسے حاصل ہو۔ وہ دونوں بھائی تھے۔ بڑے کا کہنا تھا کیوں کہ میں بڑا ہوں اس لیے میرا پہلا حق ہے کہ میں اپنے گرو پر قربان ہو جاؤں چھوٹا کہتا تھا گو میں چھوٹا ہوں لیکن اپنے والد کی بخشش میں میرا بھی حصہ ہونا چاہیئے۔

ڈلاّ اس طرح کا صدق دیکھ کر حیران رہ گیا۔ گرو جی نے اسے بتایا یہ امرت کا کرشمہ تھا۔ امرت نوش کرنے کے بعد چڑیاں بھی باز سے مقابلہ کرنے لگتی ہیں۔

دمدما صاحب ہی میں گرو صاحب کی محل ماتا سندری جی بھائی منی سنگھ جی کے ساتھ گرو صاحب سے آن ملیں۔ وہ مغل لڑائی کے دوران بچھڑ گئے تھے۔ آتے ہی جو پہلی بات ان کے اندر کی ماں نے پوچھی "میرے چاروں لال کہاں ہیں؟"

کہتے ہیں گرو گوبند سنگھ جی نے سامنے بیٹھی سنگت کی طرف اشارہ کیا اور کہا ــ یہ تمام تمہارے ہی بیٹے ہیں۔ شہید ہوئے بچوں کے لیے افسوس کرنا مناسب نہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دمدما صاحب ہی میں گرو صاحب نے گرو گرنتھ صاحب کو دوبارہ لکھوایا اور گرو تیغ بہادر صاحب کا کلام بھی گرو گرنتھ صاحب میں شامل کروایا۔ لیکن گرو صاحب کی انکساری ـــ انھوں نے اپنا کلام گرو گرنتھ صاحب میں شامل نہیں کیا۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہمیشہ کی طرح تخت کے لیے جھگڑا شروع ہوگیا۔ اورنگ زیب کا بڑا بیٹا بہادر شاہ پیشاور میں تھا۔ اس لیے اس کا چھوٹا بھائی اعظم تخت پر قابض ہوگیا۔ بہادر شاہ نے گرو صاحب سے مدد چاہی کیونکہ وہ بڑا بیٹا تھا اور تخت پر اس کا حق جائز تھا اس لیے گرو صاحب اس کی مدد کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ باپ کی طرح بہادر شاہ گمراہ ہوجائے۔ گرو صاحب نے اپنی کچھ فوج بہادر شاہ کے ساتھ بھیجی۔ اور وہ تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہادر شاہ نے اپنے جشنِ تاج پوشی پر گرو صاحب کو مدعو کیا اور انہیں خلعت کے علاوہ کئی تحائف بھی پیش کئے۔

اب مغل حکمران اور گرو صاحب اتنے گہرے دوست بن گئے کہ جب بادشاہ دکن کے دورے کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے گرو صاحب کو بھی اپنے ہمراہ چلنے کے لیے آمادہ کرلیا۔ یہ بیج کی جھوٹ پر اور برادرانہ مصالحت کی تعصب پر فتح تھی۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرو گرنتھ صاحب

گرو گرنتھ صاحب کی ترتیب و تدوین اور اسے مقدس و متبرک قرار دینا وسیع النظری، بھائی چارے اور فرقہ وارانہ میل جول کی ایک عجیب کہانی ہے۔

گرو نانک فرماتے ہیں:

میرے مالک نے جو فرمایا
میں نے تم تک پہنچایا

گرو مہاراج صرف ایک ذریعہ ہیں۔ کلام ربّی ہے اور ربّی نور گرو نانک اور ان کے بعد گرو گدّی پر جلوہ فگن نو گروؤں میں سے ہوتا ہوا اب گرو گرنتھ صاحب میں دائمی طور پر الفاظ کا جامہ پہن کر قائم ہو چکا ہے۔ گرو گوبند سنگھ جی نے فرمایا تھا۔

حکم ہوا اکال کا
تب چلایا پنتھ
سب سکھوں کو حکم ہے
گرو مانیں گرنتھ

اس طرح شبد گرو بن گیا۔ سکھ پنتھ کی قیادت گرو گرنتھ صاحب کے سپرد کی گئی۔ گرو گوبند صاحب نے صاف الفاظ میں کہا کہ جو رب کو پانا چاہتے ہیں وہ اسے گرو بانی میں پائیں گے۔

گرو گوبند سنگھ جی کی وفات کے بعد زندہ گرو کی روایت ختم ہو گئی اور مقدس گرو گرنتھ صاحب کو گرو قرار دیا گیا۔ جنھیں گرو کی مہر اور بخشش کی ضرورت ہو وہ اسے گرو گرنتھ صاحب میں پا سکتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سکھ پنتھ گرو گرنتھ صاحب کو وہی عزت اور توقیر دیتا ہے جو حیات گرو صاحبان کو دیا جاتا رہا ہے۔ ہر سکھ، ہر صبح گرو گرنتھ کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ اپنی دنیاوی اور روحانی دنیا سنوارتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گرو گرنتھ صاحب میں درج گرو بانی صرف سکھ گرو صاحبان کی ارشاد کی ہوئی ہی نہیں اس میں ان کے علاوہ 36 دوسرے بزرگوں کا بھی کلام ہے جو الگ الگ مذہب، ذات، صوبے اور قصبے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں بنگال کے جے دیو ہیں اور اودھ کے گرو داس۔ مہاراشٹر کے نام دیو ترلوچن اور پرمانند ہیں۔ اسی طرح اتر پردیش کے بینی رامانند، پیپا، سین، کبیر، روی داس اور بھیکھن ہیں۔ راجستھان کے دھنا اور پنجاب میں ملتان سے فرید۔ یہی نہیں ان میں سے کچھ ایک تو ادنیٰ سے ادنیٰ کہی جانے والی ذاتوں میں سے تھے۔ کبیر جلاہے، سدھنا قصائی، نامدیو درزی، سین نائی اور روی داس چمار تھے۔ گرو گرنتھ صاحب کے مرتب کرنے والے نے کسی مذہبی یا ذات پات کے تفرقے کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیا۔ دھنا جاٹ تھے اور پیپا راجہ۔ فرید مسلم صوفی اور بھیکھن مشہور مسلم دانشور، اسی طرح روی ہندو سنت اور شاعر تھے۔

اس طرح جب کوئی سکھ گرو گرنتھ صاحب کے سامنے سر جھکاتا ہے تو وہ وہی تعظیم مسلم صوفی فرید یا کرشن کے بھگت جے دیو کو دے رہا ہوتا ہے جو گرو نانک دیو جی کو یا سری گرو گرنتھ صاحب کے مرتب کرنے والے ارجن دیو جی کو دے رہا ہوتا ہے۔

اس کے باوجود گرو گھرانے کے کچھ مخالفوں نے اکبر بادشاہ سے جا کر شکایت کی کہ گرو گرنتھ صاحب میں جسے گرو ارجن دیو جی نے مرتب کیا ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کے خلاف کلام درج ہے۔ ان دنوں اکبر بادشاہ پنجاب کا دورہ کر رہا تھا۔ بادشاہ نے گرو مہاراج کو بمعہ گرو گرنتھ صاحب ملنے کا فرمان بھیجا۔ گرو صاحب نے خود تو جانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن اپنے دو قابلِ اعتماد سکھوں کے ہاتھ گرو گرنتھ صاحب کی بیڑ (جلد) بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے گرو گرنتھ صاحب میں سے کوئی ایک شبد پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ شبد گرو ارجن دیو صاحب کے اپنے کلام میں سے تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تلنگ مہلا 5 گھر ۱

خدا واحد ہے اور وہ مرشد کی مہربانی سے ملتا ہے۔
خدا نے عالم کو خاک اور نور سے پیدا کیا
آسمان، زمین، درخت، آب خدا نے بنائے
غافل انسان حرام کھاتا ہے اور اس کے دل پر ہوس کا قبضہ ہے
خدا انھیں دوزخ کی سزا دیتا ہے۔
ولی، نعمت، برادر، دربار، ملک، گھر بار یہ سب کچھ مدد نہیں
کر پائیں گے۔ جب وقت آخر عزرائیل تمہیں باندھ لے گا۔
پاک اللہ سب احوال جانتا ہے۔ نانک کہتا ہے درویش بندوں
کی صحبت میں خدا کو یاد کیا کرو۔

بادشاہ نے کلام سنا اور حیرت زدہ رہ گیا۔" اس میں تو کوئی اعتراض کی بات نہیں۔" اکبر نے کہا۔ یہ سن کر بدگو کہنے لگے کہ پڑھنے والے نے جان بوجھ کر ایسا شبد پڑھا ہے جس میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اب بادشاہ نے خود ایک شبد کی طرف اشارہ کیا اور اسے پڑھ کر سنانے کے لیے فرمایا۔ اس میں بھی اس لافانی کی صرف تعریف تھی اور ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ یہ دیکھ کر بدگو کہنے لگے کہ کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی گرمکھی رسم الخط سے واقف نہیں اس لیے پڑھنے والا اپنے دل سے یاد کیے ہوتے شبد سنا رہا ہے۔ یہ سن کر اکبر نے شہر میں سے صاحب دیال نامی شخص کو بلایا اور خود بتائے ہوئے شبد پڑھنے کے لیے کہا۔ اب جو شبد پڑھا گیا وہ یہ تھا۔

گھر میں خدا نظر نہ آئے
گلے میں مورت لے لٹکائے
فریب میں آکر انسان بھول جاتا ہے
اور ناحق پانی کو بلوتا ہے
جس پتھر کو خدا کہتا ہے
وہی پتھر اس کو ڈبوتا ہے۔
اے گناہ گار اور نمک حرام پتھر کی ناؤ پار نہیں لگائے گی نانک جس نے مرشد۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سے مل کر خدا سے ناطہ جوڑ لیا تو وہ پانی، زمین، آسمان ہر جگہ نظر آتا ہے۔

شبد سن کر اکبر جھوم اٹھا اور کہا۔ یہ کلام قابل احترام ہے۔ اس نے 51 سونے کی مہروں کا نذرانہ گرو گرنتھ صاحب کو پیش کیا اور گرو ارجن دیو جی کو ایسی عظیم کتاب مرتب کرنے پر مبارک باد بھیجی اور وعدہ کیا کہ وہ خود امرتسر حاضر ہو کر نیاز حاصل کرے گا۔ اور اکبر نے اپنے وعدے کو بھلایا نہیں۔

سری گرو گرنتھ صاحب کو مرتب کرنے کی کہانی اپنے آپ میں بہت عجیب ہے۔ اس کی وجہ ایک گھریلو بدمزگی تھی۔ گرو نانک کے بعد گرو انگد گرو گدی پر بیٹھے۔ وہ گرو صاحب کے صرف عقیدت مند تھے۔ نہ بیٹے تھے اور نہ ہی رشتے دار۔ اسی طرح تیسرے گرو مہاراج گرو امر داس بھی گرو انگد جی کے سکھ تھے۔ گرو صاحب کے ساتھ ان کا کوئی دنیاوی رشتہ نہیں تھا۔ اسی طرح گرو امر داس جی نے اپنے بعد گرو گدی اپنے بیٹوں موہن اور موہری کو نہ بخش کر گرو رام داس کو نوازا۔

گرو ارجن دیو بے شک گرو رام داس جی کے صاحبزادے تھے لیکن وہ ان کے سب سے بڑے صاحب زادے نہیں تھے جس نے اپنی نگاہیں گرو گدی پر لگا رکھی تھیں۔ یہ دیکھ کر کہ اس کا حق مار کر گرو گدی اس کے چھوٹے بھائی گرو ارجن دیو کو بخشی گئی ہے، پرتھی چند نے اپنے آپ کو گرو کہلوانا شروع کر دیا۔ اسی نے جا کر اکبر سے شکایت کی تھی کہ سری گرو گرنتھ صاحب میں قابل اعتراض کلام درج ہے۔ یہی نہیں پرتھی چند نے خود تک بندی شروع کر دی اور اسے گرو بانی کا نام دے کر سکھ عقیدت مندوں میں بانٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح تو سکھ فرقے کا خاتمہ ہو جائیگا عقیدت مندوں کے پاس ہر طرح کا جعلی کلام پہنچ جائے گا۔ تو فیصلہ ہوا کہ ان کا اور ان سے پیشتر چار گروؤں کا کلام جمع کرنے کے بعد ایک جلد میں درج کر دیا جائے تاکہ اس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو سکے۔

کہا جاتا ہے کہ جب گرو ارجن دیو جی نے اس طرح کا فیصلہ کر لیا تو انھوں نے نہایت معقول ڈھنگ سے یہ تمام منصوبہ بنایا اور اسے بخوبی سرانجام دیا۔ گرو ارجن دیو جی سے پہلے گرو صاحبان کا کلام بے شک کتابوں میں درج تھا۔ پھر بھی گرو ارجن دیو جی نے اپنے سکھوں کو ان مقامات پر جہاں جہاں گرو صاحب تشریف لے گئے تھے یا جہاں بھی ان کے عقیدت مند تھے بھیجا، تاکہ گرو مہاراج

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کا صحیح کلام جمع کیا جائے۔ ایک سکھ سری لنکا بھی گیا جب یہ معلوم ہوا کہ گرو رام داس جی کا سب سے بڑا بیٹا موہن اپنے والد صاحب کا کلام نہیں دے رہا تو گرو ارجن خود گوئندوال ان کے گھر حاضر ہوئے اور اسے اس عظیم کام میں اپنا تعاون دینے کے لیے راضی کر لیا۔ امرتسر لوٹتے ہوئے وہ گرو انگد جی کے بیٹے دا تو کے گھر بھی گئے اور جو کلام اس کے پاس تھا وہ حاصل کیا۔

اس کارِ عظیم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے گرو ارجن دیو جی نے رام سر کے پرسکون کنارے پر ایک الگ جگہ خیمہ نصب کروایا اور وہاں گرو بانی لکھی جانے لگی۔ گرو ارجن خود بانی منہ سے ادا کرتے تھے اور سکھ پنتھ کے عظیم عالم بھائی گرداس جی اسے قلم بند کرتے جاتے تھے۔

جب جلد تیار ہو گئی تو اسے مکمل احترام کے ساتھ ہرمندر صاحب میں لے جا کر رکھا گیا اور سب سے بزرگ سکھ سیوک بھائی بڈھا جی کو پہلا گرنتھی مقرر کیا گیا۔ بھائی گرداس کی اس عظیم خدمت کے عوض گرو ارجن دیو جی نے ان کے کلام کو بھی گرو گرنتھ صاحب میں شامل کرنے کی دعوت دی۔ لیکن بھائی گرداس کی انکساری کہ وہ رضامند نہیں ہوئے۔ اس مایہ ناز فخر کے لیے انھوں نے خود کو قابل نہیں گردانا۔

گرو گوبند صاحب نے دمدما صاحب میں گرو گرنتھ صاحب کو پھر لکھوایا اور اس میں گرو تیغ بہادر جی کا کلام بھی شامل کیا۔ لیکن گرو گوبند جی کی یہ عظمت ہے کہ انھوں نے اپنا کلام اس میں شامل نہیں کیا۔

گرو گوبند صاحب کا اپنا کلام بہت ضخیم ہے۔ شاید انھیں یہ خیال آیا ہو کہ گرو گرنتھ صاحب میں ان کا کلام شامل کرنے سے یہ جلد بہت ضخیم ہو جائے گی اور شاید مکمل احترام کے ساتھ سنبھالی نہ جا سکے۔

شری گرو گرنتھ صاحب کے کلام کو ہندوستانی موسیقی کے طریقے کے مطابق راگوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر راگ میں اوّل گرو نانک صاحب کا کلام ہے اور پھر دوسرے گرو صاحبان کا بھگتوں کا کلام اس کے بعد آتا ہے۔ مقدس کتاب میں کُل 6,000 شبد ہیں۔

کہا جاتا ہے کاہن، چھجو اور بیلو نے اپنا کلام گرو گرنتھ صاحب میں شامل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرنے کے لیے گرو صاحب کی خدمت میں پیش کیا لیکن کسی وجہ سے ان کی تخلیقات کو اس قابل نہیں سمجھا گیا۔

کچھ بھاٹ اور بھگت جو گرو گھر میں کیرتن کرتے تھے، یہ چاہتے تھے کہ گرو صاحبان کی تعریف میں لکھے ان کے کلام کو بھی گرو گرنتھ صاحب میں شامل کر لیا جائے۔ ان میں سے کچھ ایک کو نوازا گیا۔

سری گرو گرنتھ صاحب کی پہلی جلد 1604ء میں تیار ہوئی۔ گرو ارجن دیو جی نے بطور احترام یہ شبد قلم بند کروایا۔

تھال میں تین چیزیں ہیں۔ حق، صبر اور علم
خدا کے نام کا امرت بھی، جس پر سب کا انحصار ہے۔
جو اس سے لطف اندوز ہوا اس نے نجات حاصل کر لی۔
اس شے کو چھوڑو نہیں ہمیشہ دل کے قریں رکھو۔
دنیا کا عمیق سمندر اس کے قدموں سے لگ کر پار ہو جائیگا
نانک یہ خدا ہی ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔

(مُندا وَنی مہلا 5)

اس کے بعد بطور شکریہ یہ شبد لکھوایا۔

تمہارا کیا میں نہیں جان سکتا
مجھے اپنے قابل تم نے بنایا
مجھ بے وصف میں کوئی وصف نہیں
تم نے مجھ پر رحم کیا
رحم کیا، رحمت ہوئی
اور یوں سچّا گرو ساجن ملا
نانک نام ہے تو جی اٹھوں
اور تن من سکھ پائے

(مُندا وَنی مہلا 5)

سری گرو گرنتھ صاحب کا کلام متبرک مانا گیا ہے۔ اس میں ایک بھی نقطے کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ کوئی بھی تبدیلی گناہ ہے اور اسے کلام کی بے حرمتی تصوّر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں اورنگ زیب نے گرو بانی کے ایک شعر پر اعتراض کیا۔ گرو ہر رائے جی کے بیٹے رام رائے جوان دنوں دلی میں اورنگ زیب کے مہمان تھے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اس شعر کو ذرا سا بدل دیا۔ 'مٹی مسلمان کی' کو 'مٹی بے ایمان کی' کر دیا۔ جب گرو ہر رائے کو یہ خبر ملی وہ سخت ناراض ہوتے اور حکم دیا کہ ہر رائے انہیں کبھی اپنا چہرہ نہ دکھائے۔

ایک دفعہ گرو ہر رائے صاحب آرام فرما رہے تھے کہ ایک سکھ گرو بانی پڑھتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ گرو صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے تاکہ گرو بانی کا مکمل احترام ہو سکے۔

سری گرو گرنتھ صاحب روحانی شاعری کی ایک خوب صورت تخلیق ہے۔ یہ نہ صرف اپنے وقت کے ادب کی نمائندہ ہے بلکہ اس کی ترتیب نہایت سائنسی ڈھنگ سے کی گئی ہے۔ کلام کی ترتیب کو بگاڑے بغیر اس میں دوسرا کلام شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک شبد بھی آگے پیچھے ہو جائے تو اس کی پہچان ہو سکتی ہے ہر راگ میں ہر شبد کو گن کر میزان درج کیا گیا ہے۔ جب گرو گوبند سنگھ جی نے گرو تیغ بہادر جی کے کلام کو سری گرو گرنتھ صاحب میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا تو انہیں گرو گرنتھ صاحب کی ترتیب کو بدلنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

سری گرو گرنتھ صاحب "مول منتر" سے شروع ہوتا ہے۔

خدا واحد ہے
اس کا نام سچ ہے
وہ خالق ہے
خوف سے بالاتر ہے
دشمنی سے بالاتر ہے
ازلی و ابدی ہے
زندگی اور موت سے بالاتر ہے
اس کی ہستی کو کسی نے پیدا نہیں کیا
وہ گرو کی برکت سے ملتا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

اوّل راگ سری راگ ہے۔ اس سے پہلے 'مُنت نیم' کی بانی درج ہے۔ سری راگ کے علاوہ ماجھ، گوڑی، آسا گجری، دیو گندھاری، بہاگڑا، وڈی ہنس، سورٹھ، دھنا سری، جیت سری، ٹوڈی، بیراڑی، تلنگ، سوہی، بلاول، گونڈ، رام کلی، نٹ نارائن مالی گونڈا، مارو، تکھاری، کیدارا بھیرو، بسنت، سارنگ، ملہار، کانڑا، کلیان، پربھاتی اور جے جے ونتی راگ گرو گرنتھ صاحب میں شامل ہیں۔

راگوں کے علاوہ سنسکرت شلوک، گاتھا سوئیے وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ہر راگ میں جس ترتیب سے کلام کو درج کیا گیا ہے، وہ اس طرح ہے: شبد، اشٹ پدی، چھند، وار اور بھگتوں کا کلام تاکہ کوئی نیا شبد شامل نہ کر سکے اس میں ہر شبد کو الگ نمبر دیا گیا ہے اور اس طرح شبد کو ڈھونڈنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

بطور ایک ادبی تخلیق سری گرو گرنتھ صاحب مواد اور ہیئت دونوں کے لحاظ سے اعلیٰ ترین کتاب ہے۔ اس کی زبان کہیں کہیں سنسکرت اور فارسی آمیز ہے لیکن زیادہ تر اپنے وقت کی عام بول چال کی زبان ہے اس میں جگہ جگہ کی اُپ بولیاں بھی شامل ہیں۔ بحریں روایتی بھی ہیں اور جدید بھی اور ہر بحر کا انتخاب مضمون اور اس کے مزاج کے مطابق کیا گیا معلوم ہوتا ہے۔ گرو گرنتھ صاحب میں شامل گرو صاحبان اور بھگت صاحبان روایتی بحر کی قید کو بالکل نہیں مانتے ضرورت کے مطابق اس میں تبدیلی بھی کر لیتے ہیں تاکہ ان کا کلام عوام میں زیادہ سے زیادہ مقبول ہو۔ وہ اکثر عوام میں مقبول دھنوں پر اپنے شبد کہتے۔ اس طرح گرو بانی کے شبدوں کو صحیح ڈھنگ سے گانے میں مدد ملتی ہوگی یہ ایک افسوس ناک امر ہے کہ ہندوستانی موسیقی کی روایت سینہ بسینہ چلنے کی وجہ سے یہ دھنیں اب زیادہ تر گم ہو گئی ہیں۔ اپنے زمانے میں گرو صاحب نے اس بارے مکمل احتیاط استعمال کی تھی۔ مثلاً آسا دی وار کے شروع میں یہ درج ہے:

وار سلوکاں کے ساتھ سلوک بھی پہلے پہلے کے:

لکھے ٹنڈے اسراج کی دھن

گرو گرنتھ صاحب کا کلام سکھ فلاسفی کی کان ہے۔ اس کے پڑھنے سے علم حاصل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہوتا ہے اور صاف ستھری زندگی گزارنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اس کا ہر لفظ فیضان دیتا ہے اور قاری کے اندر نئی روح پھونک دیتا ہے۔ یہ کلام خاص وعام دونوں کے لیے ہے، اور اس کا احترام سکھ قوم کے ساتھ ساتھ ہندو اور مسلمان بھی کرتے ہیں

ایک بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کاغذ یا کاغذ پر لکھے حروف گرو نہیں، یہ صرف ایک ذریعہ ہیں گرو صرف کلام ہے وہ جو کہ انسان پاٹھ کرنے کے بعد حاصل کرتا ہے۔ وہ روشنی، وہ چمتکار وہ مستی۔ ہاں اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ برتن جس میں امرت ہو بے شک امرت نہیں لیکن پھر بھی اسے ایک عام برتن نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا احترام لازمی ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مذہبی غیر جانبداری

آج کے ہندوستان میں سیکولرازم یا مذہبی غیر جانبداری کے معنی ہیں تمام مذاہب کے لیے یکساں احترام۔ سیکولرازم عقیدے اور عقل کے امتزاج کا نام ہے۔ سیکولر مملکت میں فیصلے ذات نسل اور رنگ سے بالاتر ہو کر کیے جاتے ہیں۔

اس عقیدے کے مطابق مہاراج رنجیت سنگھ کی حکومت درحقیقت سیکولر حکومت تھی۔ مغل سلطنت کے کھنڈروں کی بنیاد پر رکھی گئی سلطنت ایک جانب تبّت سے سندھ تک اور دوسری جانب کابل سے ستلج تک پھیلی ہوئی تھی اور جس ملک پر اس کی حکومت تھی اس میں 80 فی صد مسلم آبادی تھی 10 فی صد ہندو اور باقی 10 فی صد اس کے اپنے ہم مذہب لوگ تھے۔

مہاراج رنجیت سنگھ پکا سکھ تھا۔ ہر روز سویرے غسل کے بعد وہ 'نت نیم' کا پاٹھ کرتا اور گرو گرنتھ صاحب کے حضور میں حاضر ہو کر سجدہ کرتا تھا۔ گرو بانی پر اس کا اس قدر یقین تھا کہ کیا مجال کبھی کوئی مہم یا معمولی لڑائی یا معمولی سے معمولی منصوبہ بغیر گرو (گرو گرنتھ صاحب میں سے فال) شروع کیا ہو۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی گرو گرنتھ صاحب کو ایک الگ ہاتھی پر ساتھ لے جاتا تھا۔ ایک مرتبہ مہاراجہ سے بطور سکھ ایک کوتاہی ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو اکال تخت کے سامنے پیش کیا اور اکال تخت نے فیصلہ سنایا کہ اس کی پشت پر کوڑے مارے جائیں اور مہاراجہ نے سزا منظور کر لی۔

اس کے باوجود مہاراجہ نے کبھی کسی دوسرے مذہب کے ساتھ امتیاز نہیں برتا۔ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے وزیر برائے امور خارجہ سے کہا "خدا یہ چاہتا تھا کہ میں ہر مذہب کو ایک آنکھ سے دیکھوں اسی لیے تو میری دوسری آنکھ جاتی رہی۔"

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مہاراجہ رنجیت سنگھ 1780ء میں اپنے ننیہال کے گاؤں میں پیدا ہوئے اور وہاں ان کا نام بدھ سنگھ رکھا گیا۔ اور سوچا گیا کہ وہ بڑا ہو کر بہت بدھی مان (عقل مند) ہو گا۔ لیکن جب ان کے والد سردار مہان سنگھ کو جو اس وقت ایک ہمسایہ ریاست کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے معلوم ہوا انھوں نے اپنے بیٹے کا نام بدل کر رن جیت سنگھ (رن جیتنے والا) رکھا۔ رنجیت سنگھ نے سچ مچ کئی لڑائیاں جیتیں لیکن آخر دم تک لکھنے پڑھنے سے کورا رہا۔

17 برس کی عمر میں وہ پورے عروج پر تھا۔ پہلے اس نے کنہیا سِل کی رانی سدا کور کی بیٹی مہتاب کور سے شادی کی اور پھر نکئی سردار کی بہن راج کور سے رشتہ استوار کیا۔ یوں کنہیا اور نکئی دونوں اس کے بازو بن گئے۔ کم عمری میں ہی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے تحمل کن عقلمندی سے کام لے کر سکھوں کی بارہ مسلوں کا خاتمہ کرنے کے بعد مرکزی حکومت قائم کی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اوائل عمری میں ہی اپنے ارد گرد چھوٹے بڑے سرداروں پر دھاک جما لی۔ جب شاہ زمان نے پنجاب پر حملہ کیا سکھ سردار اکال تخت پر "سربت خالصہ" کی میٹنگ کے لیے جمع ہوئے۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ انھیں پہلے کی طرح میدانی علاقے کو چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ جانا چاہیئے۔ لیکن رنجیت سنگھ رضامند نہیں ہوا۔ وہ شاہ زمان کا مقابلہ کرنے کے لیے مُصر تھا۔ اکال تخت اور "سربت خالصہ" کا فیصلہ ہر ایک پر لاگو ہونا تھا۔ اور آخر رنجیت سنگھ کی ضد کے سامنے یہ فیصلہ ہوا کہ حملہ آور کا مقابلہ کیا جائے۔ کمان رنجیت سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں سکھوں نے نہ صرف شاہ زمان کو شکست ہی دی بلکہ اس کے قدم اکھیڑتے ہوئے سندھ کے پار پہنچا کر لوٹے۔ جب شاہ زمان لاہور میں تھا تو کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ ایک رات متمن برج پر جا چڑھا اور شاہ زمان کو للکارا "اے ابدالی کی اولاد! اگر ہمت ہے تو چڑھت سنگھ کے بیٹے کے ساتھ دو دو ہاتھ کر لو"۔ افغان سپاہی سکھوں سے خوف زدہ رہنے لگے۔ کہتے ہیں ڈر کے مارے رات کو وہ اپنی بیرکوں سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ شاہ زمان کے ساتھ اس لڑائی میں پنجابی مسلمان کی بھی آنکھ کھل گئی۔ ان کا خیال تھا کہ حملہ آور اسے کچھ نہیں کہے گا کیوں کہ وہ اس کا ہم مذہب برادر ہے۔ لیکن شاہ زمان کی فوجوں نے ان پر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قیامت ڈھائی۔ انہیں اسی طرح لوٹا گیا اسی طرح ان کی ماں بہنوں کی بے عزتی کی گئی جیسے کوئی بھی حملہ آور کرتا ہے۔ رنجیت سنگھ نے شاہ زمان کے اس طرح دانت کھٹے کیے کہ درہ خیبر کا راستہ پنجاب پر حملے کے لیے جیسے بند ہو کر رہ گیا۔ یہ خیال کہ جہاں افغان گھوڑوں کے سُم لگتے ہیں وہاں پھر گھاس نہیں پیدا ہوتی رنجیت جیسے سورما نے غلط ثابت کر دیا۔

افغانوں کو پنجاب سے پسپا کرنے کے بعد لاہور پر تین سرداروں نے قبضہ کر لیا۔ ان میں سے چیت سنگھ سب سے زیادہ بگڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ شراب پی کر بے ہودگیاں کرتے اور رعایا ان سے بہت تنگ آ چکی تھی۔ اور پھر لاہور کے شہریوں نے جن میں مسلمان ہندو اور سکھ شامل تھے رنجیت سنگھ کو پیغام بھیجا کہ وہ آ کر شہر کا انتظام سنبھال لے۔ اپنے سرداروں کی کرتوتوں سے وہ لوگ سخت نالاں تھے۔ جب رنجیت سنگھ نے یہ سنا، اس نے اپنے ایک معتمد خاص اہلکار عبدالرحمان کو اس بات کی تصدیق کے لیے لاہور بھیجا۔ جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ لاہور کے شہری اس کے منتظر ہیں تو مہاراجہ رنجیت سنگھ 25000 کی فوج لے کر لاہور پر ٹوٹ پڑا۔ فریق نے شہر کے دروازے کھول دیے اور بغیر خون بہائے رنجیت سنگھ کا شہر پر قبضہ ہو گیا۔ قبضے کے بعد سب سے پہلے رنجیت سنگھ شاہی مسجد میں احترام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا۔

رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ شہر کا انتظام انصاف اور فلاح عام پر مبنی ہو گا۔ اگر خود مہاراجہ سے کبھی کوئی غلط فیصلہ ہو جائے تو اسے نظر ثانی کے لیے مہاراجہ کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ انصاف شاستروں اور شریعت کے مطابق ہونا طے پایا۔ نظام الدین کو شہر کا سب سے بڑا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس کی مدد کے لیے محمد شاہ پوری اور سعید اللہ دو مفتی تھے۔ شہر میں یونانی شفا خانوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ یہ دواخانے حکیم نورالدین کی دیکھ ریکھ میں تھے۔ امام بخش کو شہر کا کوتوال مقرر کیا گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کئی اعلیٰ عہدوں پر ہندو مسلمان فائز تھے کم از کم 40 اعلیٰ افسر مسلم تھے جن میں سے دو جرنیل تھے۔ لاہور کے گرد و نواح میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کا صفایا کرنے کے بعد مہاراجہ نے 20000 سپاہیوں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کی ایک فوج ملتان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی جس کی کمان سردیوان چند ایک ہندو جرنیل کے ہاتھ میں تھی اور اس کی مدد کے لیے ایک مشہور مسلم جرنیل الٰہی بخش تھا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ملتان کا نواب مظفر خاں آخری دم تک لڑتا رہا لیکن فتح مہاراجہ کی افواج کی ہوئی۔ اس فتح کے بعد بہاول پور، ڈیرہ غازی خاں، ڈیرہ اسماعیل خاں اور منکیرہ جیسے کئی علاقوں پر رنجیت سنگھ نے قبضہ کر لیا۔ ملتان فتح کرنے کے فوراً بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ شاہ عبدل مانی کے مقبرے پر شکرانہ ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ یہ مقبرہ مہاراجہ کے ایک سپہ سالار میاں غوث نے بنوایا تھا جو خود ملتان کی لڑائی میں مارا گیا۔

اس کے بعد مہاراجہ کی فوج نے کئی اہم فتوحات حاصل کیں۔ جموں، سری نگر، پیشاور، کابل جیسے دور دراز کے مقامات اس کے قبضے میں آتے گئے۔ رنجیت سنگھ کا ہمیشہ یہ اصول رہا کہ وہ شکست خوردہ حکمران کو جاگیر دے کر اس کا پورا احترام کرتا۔ اس کی یہ ہمیشہ کوشش رہتی کہ دوسرے کو دائمی دوست بنا لیا جائے اور خصوصاً مسلم سرداروں کا خاص خیال رکھتا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ انگریزوں کے ساتھ بہت دانشمندی کا برتاؤ کرتا رہا۔ جب تک وہ زندہ رہا اس نے فرنگی کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیا۔ اپنی فوج کو جدید تربیت دینے کے لیے اس نے غیر ملکی لوگوں کو ملازمت تو بے شک دی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کی حکومت میں 37 غیر ملکی افسر یا صلاح کار موجود تھے۔ ان میں 3 انگریز، 12 فرانسیسی، 4 اطالوی، 4 جرمن، 2 اسپینی، اروسی، ایک اسکاچ، 7 اینگلو انڈین اور 3 امریکی تھے۔ ان سب کو باقاعدہ طے شدہ شرائط پر ملازم رکھا جاتا تھا۔

رنجیت سنگھ اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی بادشاہ کہلوا کر خوش ہوتا تھا۔ بہت عرصہ تک وہ باقاعدہ تخت پر نہیں بیٹھا۔ وہ اپنے آپ کو اپنے لوگوں کا سردار سمجھتا تھا۔ ایک ایسا جرنیل جسے اس کی رعایا نے اپنی لڑائیاں لڑنے کے لیے چنا تھا۔ بقول ونسنٹ سمتھ "پنجاب نہ تو پرانی طرز کی شاہی سلطنت تھی اور نہ ہی ایک مذہب کی باقی مذاہب کے لوگوں پر تاناشاہی۔ پنجاب میں لوگ مل جل کر رہتے اور مل جل کر ہی حکومت چلاتے تھے۔ رنجیت سنگھ اپنے لوگوں میں مطلق العنان

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نہیں تھا جیسا کہ پرانے راجہ مہاراجہ ہوتے تھے۔ وہ لوگوں کا اسی طرح نمائندہ تھا جیسے کہ آگسٹس یا سیزر تھے۔ وہ کبھی بھی شیخی نہیں بگھارتا تھا۔ اگرچہ آخر میں اس نے مہاراجہ کا لقب اختیار کیا پھر بھی وہ اپنے آپ کو خالصہ کے جرنیل سے بڑھ کر نہیں سمجھتا تھا۔"

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو سکھ قوم کی یہ روایت تھی جب بھی کوئی مشکل آن پڑتی، لوگ اکال تخت پر جمع ہوتے اور اسے "سربت خالصہ" کہا جاتا تھا۔ یہاں پر مسئلے پر سوچ بچار ہوتا اور پھر گرمتا پاس کیا جاتا۔ یہ فیصلہ ہر ایک پر لاگو ہوتا تھا۔ اس فیصلے کو مذہبی حکم مانا جاتا تھا اس طرح کا آخری گرمتا 1809ء میں پاس کیا گیا جب ہولکر فرنگیوں سے شکست کھا کر پنجاب میں آگیا۔ اس کا پیچھا ایسٹ انڈیا کمپنی کا لارڈ لیک کر رہا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسے زیرک حکمران نے 'سربت خالصہ' کی جگہ ایک دوسرا ادارہ قائم کیا جس کے سامنے اس طرح کے مسائل پیش کئے جانے لگے۔ اس ادارے میں دھیان سنگھ ڈوگرہ ہندو، امور داخلہ کا وزیر تھا اور فقیر عزیز الدین مسلم، امورِ خارجہ کا وزیر تھا۔ اس طرح مہاراجہ نے کمال دانش مندی کے ساتھ مذہب کو سیاسی معاملات سے الگ کر دیا۔

1801ء میں جب رنجیت سنگھ نے مہاراجہ کا لقب اختیار کیا تو اس نے اپنا سکہ از سرِ نو جاری کیا۔ اس کا نیا سکہ جو کہ لاہور کی ٹکسال میں بنا تھا اس پر یہ کندہ کروایا گیا۔

دیغ و تیغ و فتح و نصرت بے درنگ
یافت از نانک گرو گوبند سنگھ

یہ الفاظ گرمکھی اور فارسی میں کندہ تھے مہاراجہ نے موراں نامی اپنی ایک رانی کے نام پر موراں شاہی سکہ بھی جاری کیا۔ موراں ایک مسلم مغنیہ تھی جسے رنجیت سنگھ نے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ سکھ قوم اس بات پر سخت ناراض ہوئی۔ مہاراجہ پر سخت سزائیں عائد کی گئیں لیکن انھوں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ کئی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ موراں شاہی سکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پنجابی عورت کے تئیں احترام کا ثبوت ہے۔ سکے پر موراں کی تصویر کندہ کروانے کے بجائے آرسی کی تصویر بنوائی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گئی تھی۔ ان دنوں پنجاب کی اعلیٰ سوسائٹی میں انگوٹھے میں آرسی کی انگوٹھی پہننے کا رواج تھا۔

گو وہ مکمل سکھ تھا، پنجابی سکھ جو ہر روز صبح سویرے گرمکھی رسم الخط میں لکھے گرو گرنتھ صاحب کے سامنے سجدہ کرتا تھا، پھر بھی اس کی درباری زبان پنجابی نہیں تھی۔ اس سے پہلے مغل دورِ حکومت میں فارسی درباری زبان تھی، رنجیت سنگھ نے اسی زبان کو درباری زبان رکھا۔ اپنے شہزادوں کو وہ انگریزی جیسی غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے کے لیے آمادہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے کچھ غیر ملکی زبانوں میں لکھی کتابوں کا ترجمہ بھی پنجابی میں کروایا۔ شاہ محمد نامی ایک مسلم پنجابی شاعر کو جس نے مہاراجہ کی کئی ایک مہمات کا شاعری میں بیان کیا رنجیت سنگھ نے خوش ہو کر جاگیر بخشی۔

متعدد واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہر ایک مذہب کی یکساں عزت کرتا تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ فقیر عزیز الدین کے خاندان کے فقیر وحید الدین نے حال ہی میں رنجیت سنگھ سے متعلق لکھی گئی اپنی کتاب میں لکھا ہے:

"ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور فقیر عزیز الدین لاہور کے باہر سیر کر رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی بیل گاڑی میں ایک بہت بڑی کتاب کو لیے جا رہا ہے۔ مہاراج نے کوچوان کو روک کر پوچھا کہ وہ کیا لے جا رہا ہے۔ "حضور میں ایک کاتب ہوں"، بیل گاڑی والا ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "یہ قرآن پاک کی جلد ہے جسے میں نے تمام عمر کی محنت سے تیار کیا ہے میں اسے حیدر آباد لے جا رہا ہوں تاکہ وہاں کے مسلم حکمران کو پیش کر کے ہدیہ حاصل کروں۔ سنا ہے وہ بہت خدا پرست اور سخی بھی ہے"۔ مہاراجہ نے فقیر عزیز الدین سے مخاطب ہو کر کہا "یہ آدمی سوچتا ہے کہ حیدر آباد سے ادھر نہ کوئی خدا پرست ہے اور نہ ہی سخی جو قرآن پاک کا ہدیہ ادا کر سکے"۔ پھر مہاراجہ نے کاتب سے پوچھا "اس نسخے کا کیا ہدیہ ہونا چاہیئے؟" کاتب نے دس ہزار روپیہ کہا۔ یہ رقم آج بھی زیادہ سمجھی جائیگی لیکن اس سے پہلے کہ مہاراجہ کا وزیر دخل دیتا، مہاراجہ نے کہا "فقیر جی سرکاری خزانے سے اس شخص کو دس ہزار روپے ادا کر دیے جائیں"۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قرآن پاک کا نسخہ حاصل کرنے کے بعد مہاراجہ نے فقیر عزیز الدین سے اس میں سے کچھ حصّے سنانے کے لیے کہا۔ فقیر جی نے سورۃ یوسف پڑھی اور پھر اس کے معنی مہاراجہ کو بتائے۔ "لیکن فقیر جی۔ گرو گرنتھ صاحب میں بھی یہی سب کچھ درج ہے۔ فرق کیا ہوا؟" مہاراجہ نے کہا۔ "کچھ بھی نہیں مہاراج" فقیر عزیز الدین نے کہا۔ "منزل ایک ہے، بس راہیں جدا جدا ہیں" مہاراجہ یہ سن کر اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے وہ نسخہ فقیر عزیز الدین کو بخش دیا۔

کہتے ہیں ایک مشہور جرنیل سردار حکم سنگھ چمنی جو مہاراجہ کے بہت منھ چڑھا تھا اس نے اپنے نجی تنازعہ کی وجہ سے اپنے دشمن سعید خاں کو قتل کروا دیا۔ جب مہاراجہ کو معلوم ہوا وہ سخت ناراض ہوئے انھوں نے سردار کو نوکری سے برخواست کر دیا اور سوا لاکھ روپیہ جرمانہ کیا۔ اور یہ رقم سعید خاں کے کنبے کو دی گئی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں پھانسی کی سزا ممنوع تھی ورنہ معلوم نہیں مہاراجہ کیا کر گزرتے۔ پھانسی کی سزا تو اسے بھی نہیں دی گئی۔ جس نے ایک دفعہ مہاراجہ پر قاتلہ نہ حملہ کیا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنی رعایا کے لیے انصاف کو یقینی بنا دیا تھا۔ جگہ جگہ باقاعدہ کچہریاں تھیں، جن میں قابل عدالتی افسر تعینات تھے۔ جو لوگ اسلام اور شریعت کے مطابق انصاف چاہتے تھے ان پر شریعت کا قانون لاگو ہوتا تھا۔ مغل دورِ حکومت کی قاضی اور مفتی کی اسامیوں کو پھر سے بحال کر دیا گیا تھا۔ مہاراجہ نے اپنی حکومت کا ٹیکس جمع کرانے کا ڈھانچہ بھی تبدیل کر دیا۔ بھوانی داس ایک ہندو کی زیرِ نگرانی تمام محکمے کو پھر سے ترتیب دیا گیا۔ اب امرتسر کا بنیکر حکومت کا ٹیکس وصول نہیں کرتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آخری ایام میں ان کی فوج میں 12 38 00 سپاہی اور افسر تھے۔ ان میں 92 000 پیادہ فوج تھی۔ اور 318 000 گھڑسوار تھے 384 بھاری توپیں تھیں اور 400 ہلکی۔ 1939ء میں دوسری جنگ عظیم کے شروع میں ہندوستان میں انگریزوں کی تمام فوج اس سے زیادہ نہیں تھی۔

پولیس کے محکمے میں صرف قابلیت کی بنا پر نوکری دی جاتی تھی۔ یا پھر اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا تھا کہ ہر مذہب اور ہر ذات کے لوگوں کو اس محکمے میں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

نمائندگی حاصل ہو۔ تمام اہم اسامیوں کو الگ الگ مذہب کے اہلکاروں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اپنی کتاب ، میں جو ابھی حال ہی میں پاکستان میں شائع ہوئی ہے، فقیر وحیدالدین لکھتے ہیں "جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس مصنف کے خاندان کی تاریخی دستاویزات میں اعلیٰ اور درمیانہ درجے کے سرکاری افسروں کی تفصیل درج ہے۔ ان میں دو مسلم وزیر تھے۔ ایک گورنر اور سات ضلع افسر تھے جن میں دو جرنیل، کئی کرنیل اور باقی دوسرے خاص عہدوں پر فائز تھے۔ پولیس میں 92 مسلم اہم عہدوں پر تعینات تھے۔ ان میں عدالتی افسر اور قانون ورسد وغیرہ کے محکموں میں کام کرنے والے بھی شامل ہیں۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قریبی لوگوں میں جہاں شام سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ شامل ہیں وہاں فقیر عزیزالدین، فقیر نورالدین، فقیر امام الدین، جرنیل غوث خاں اور الٰہی بخش بھی ہیں۔ ہندوؤں میں دھیان سنگھ، گلاب سنگھ خوش حال سنگھ اور مصر دیوان چند لچھ ایک مشہور نام ہیں۔

1764ء میں، امرتسر میں ہرمندر صاحب کو احمد شاہ ابدالی نے تباہ کر دیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ہرمندر صاحب کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ اس کے صحن میں راجستھان سے سنگ مرمر منگوا کر چنوائی کروائی گئی۔ کچھ عرصہ بعد جب مہاراجہ نے کشمیر کو فتح کیا تو ہرمندر صاحب کو سونے سے منڈھا دیا۔ مہاراجہ نے کئی مساجد بھی تعمیر کروائیں۔ لاہور میں موراں کے نام سے ایک مسجد تعمیر کروائی۔ موراں ایک مغنیہ تھی جو کہ مہاراجہ کی رانی بنی۔ اسی طرح کئی مسجدوں اور مندروں کے نام جاگیریں بھی لگوائیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اسی عقیدت کے ساتھ ہندو اور مسلم متبرک جگہوں پر حاضر ہوتا تھا، جس عقیدت کے ساتھ وہ سکھ تیرتھ استھانوں کی یاترا پر جاتا تھا۔ ان میں پنجہ صاحب کا ٹکڑے کا مشہور ہندو مندر، پورن بھگت کی جگہ، داتا گنج بخش کا مقبرہ اور میاں میر کا مزار شامل ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مذہبی غیر جانبداری اٹھارویں صدی کی ضرورتوں کے مطابق تھی۔ اس میں ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنے میں اپنی نجی بھلائی کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ اسی اندار فکر کے زیر اثر جب لاہور کے عوام اپنے سرداروں کی سہ شخصی حکومت سے بیزار ہو گئے تو انھوں نے مہاراجہ کو پیغام بھیجا۔ اور ان میں ہندو بھی تھے، مسلم بھی اور سکھ بھی اور اسی خیال کے زیر اثر مہاراجہ نے اپنی سلطنت کا تمام اہم کام کاج فقیر عزیز الدین اور اس کے دونوں بھائیوں کو سونپ رکھا تھا اور ان کے خاندان کے لوگ آج تک ان کے تئیں بے حد وفادار ہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے آپ کو ہر مذہب، ہر ذات، ہر پیشے کے لوگوں میں ہر دلعزیز بنا لیا تھا اور یہ اس محبت اور عقیدت سے ثابت ہوتا ہے جس کے ساتھ لوگ اس کے لیے ہاتھ جوڑتے تھے اور دعائیں مانگتے تھے جب مہاراجہ بیمار ہو گیا اور 17 جون 1839ء کو جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پنجاب کو چھوڑ گیا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جدوجہد آزادی میں سکھوں کا تعاون

جنگ آزادی میں سکھوں کے تعاون کو ابھی تک صحیح اور بہتر طور پر سمجھا نہیں گیا۔ بہت کم لوگ سکھوں کی طرح فرنگی کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ کتنے لوگ جانتے ہیں کہ جدوجہد آزادی میں 121 محبِ وطن جنھیں پھانسی کی سزا ہوئی ان میں سے 73 سکھ تھے۔ 2646 محبِ وطن جنھیں عمر قید ہوئی یا کالے پانی بھیجا گیا ان میں سے 2147 سکھ تھے۔ جلیانوالہ باغ میں 1302 مرد عورتیں اور بچے جو گولی کا نشانہ بنے ان میں 799 سکھ تھے۔ آزادی کی کوئی بھی لڑائی ایسی نہیں جس میں سکھوں نے اپنا حصہ نہ ڈالا ہو۔ خواہ وہ سودیشی لہر تھی یا تحریکِ خلافت، تقسیم بنگال یا 'ہندوستان چھوڑو' تحریک۔

انگریز کے سامنے ہتھیار ڈالنے والے یہ آخری سپاہی تھے اور انگریز کے خلاف ہتھیار اٹھانے والے پہلے محبِ وطن۔ اکالی لہر جیسی تحریک جسے سکھوں کی مذہبی تحریک سمجھا جاتا ہے جنگ آزادی میں اس کی خاص اہمیت ہے۔ اوّل اس تحریک میں سکھ محبِ وطنوں کی تربیت ہوئی اور دوئم انھوں نے فرنگی کو پنجاب میں سدا ہی لگاتار پریشان رکھا۔ انگریز سرکار کی کچلنے کی طاقت کو مصروفِ کار رکھا۔ جب سکھ گوردواروں پر قبضہ لینے کی جدوجہد میں کامیاب ہوئے تو مہاتما گاندھی نے انھیں اس تار سے مبارک باد دی۔ "آزادی کی پہلی فیصلہ کن لڑائی جیتی گئی ہے۔ مبارک ہو"۔

جلیانوالہ باغ کا خونیں حادثہ سری ہرمندر صاحب کے پڑوس میں ہوا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی مثال کہاں ملے گی کہ کسی قوم کے محبِ وطن، سیاسی قیدیوں کی ٹرین کو روکنے کے لیے بمعہ اہل وعیال ریل کی پٹری پر لیٹ جائیں اور اپنے آپ کو

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ٹکڑے ٹکڑے کروالیں ؟ آزادی کے متوالے سکھوں نے حسن ابدال پنجہ صاحب میں اس طرح ہی ٹرین روکی اور بھوکے پیاسے محبّ وطنوں کو پانی بھی پلایا، لنگر بھی کھلایا۔ ہزاروں دیش بھگت پھانسی پر چڑھے ہیں لیکن بھگت سنگھ جیسا آزادی کا پروانہ کمیاب ہوتا ہے۔ کہتے ہیں پھانسی پر چڑھنے سے پہلے بھگت سنگھ نے اول پھانسی کی رسی کو چوما اور پھر اپنی جان قوم پر قربان کردی۔

سکھوں کی شروع کی ہوئی مذہبی تحریکیں جنگ آزادی کے لیے سکھ محبّ وطنوں کے لیے ٹریننگ کے مواقع فراہم کرتی تھیں یہ بات اس سے ثابت ہوتی ہے کہ انڈین نیشنل کانگرس کے تمام سکھ لیڈر آغاز میں اکالی ہی تھے، خواہ وہ کھڑک سنگھ تھے یا منگل سنگھ، گرمکھ سنگھ مسافر یا پرتاب سنگھ کیروں، سورن سنگھ یا حکم سنگھ، بلدیو سنگھ یا بوٹا سنگھ، گردیال سنگھ ڈھلوں یا ذیل سنگھ یہی نہیں بلکہ سردول سنگھ، کوی شر، جوسبھاش بوس کے بعد فارورڈ بلاک کے لیڈر رہے گئے اور سوہن سنگھ جوش جیسے مشہور کمیونسٹ لیڈر بھی پہلے اکالی دیش بھگت تھے۔

سکھوں کے مرکز کے ساتھ خواہ کچھ بھی اختلافات رہے ہوں لیکن جب بھی وطن پر مصیبت آئی انھوں نے تن من سے وطن کی خدمت کی خواہ وہ کوئی کسان ہے یا سپاہی، مزدور ہے یا دکان دار۔ آزادی کے بعد پاکستان کے ساتھ تین لڑائیوں میں سکھوں کی قربانیوں کو سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ آج بھی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے کہیں زیادہ سکھ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔

ملک کی تقسیم کے بعد ان کے حصّے میں پنجاب کا غیر ترقی پذیر اجاڑ علاقہ آیا۔ انھوں نے اسے ملک کے اناج کا بھنڈار بنا دیا ہے۔ آج پنجاب کے سکھ ہندوستان میں اپنے آپ کو فی کس سب سے امیر پاتے ہیں۔ انھوں نے دستکاری میں بھی کچھ کم ترقی نہیں کی۔ جس طرف انھوں نے رخ کیا اپنی ہمت اور حوصلے کی بنا پر حیران کن ترقی کی ہے۔ آج وہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ اور ہر پیشے میں سرخرو ہیں۔ خواہ کہیں بھی ہوں ہندوستان ان کا گھر ہے۔ ان کی آنکھیں اپنے وطن پر لگی رہتی ہیں۔

سکھ ہندوستان کی تمام سرگرمیوں میں صفِ اول رہے ہیں۔ آج بھی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ ہر شعبے میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور انہیں کسی بھی صورت ترقی یا وطن کی خدمت سے محروم نہیں رکھا جاتا۔ آج پنجاب میں سکھ 'غریبی ہٹاؤ' اور 'سماجی انصاف' جیسی تحریکوں میں کسی سے پیچھے نہیں۔

سکھوں کی جنگ آزادی کی کہانی 1863ء سے شروع ہوتی ہے جب گرو رام سنگھ (1816 - 85) کی قیادت میں 'کوکوں' نے بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ یہ لوگ ایک نیم فوجی جماعت تھے۔ انھیں ہتھیاروں کے استعمال کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ سودیشی کا پرچار کرتے تھے۔ گھر میں کاتے ہوئے سوت کا کھدر پہنتے اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ انھوں نے انگریزوں کی کسی جماعت سے تعلق نہیں رکھا تھا، یہاں تک کہ کچہری اور عدالت میں بھی پاؤں نہیں دھرتے تھے۔ اور ان کی ڈاک کا بھی اپنا انتظام تھا۔ مالیر کوٹلہ اور لدھیانہ میں بہت سے کوکوں کو توپ کے دہانے سے باندھ کر اڑا دیا گیا۔ ان کے لیڈر گرو رام سنگھ جی کو برما جلا وطن کر دیا گیا، جہاں وہ اپنے وطن کے لیے تڑپتے ہوئے (1885) میں انتقال کر گئے۔

آزادی کے لیے سکھوں کا دوسرا سنگِ میل پنجاب آبادکاری ایکٹ (1907) کے خلاف جدوجہد تھی۔ اس کے تحت سرکاری نہری علاقے میں معاملے اور آبیانے میں اضافہ کرنا چاہتی تھی۔ پنجاب کے کئی دیہی علاقوں میں گڑبڑ ہو گئی۔ مظاہرے، لاٹھیاں برسائی جاتیں، گولیاں چلتیں، لاہور اور راولپنڈی غرض تمام پنجاب مشتعل ہو گیا۔ اسی تحریک میں بانکے دیال نے حب الوطنی کا مشہور گیت "پگڑی سنبھال جٹا" پگڑی سنبھال ہو" لکھا تھا جو آج تک آزادی کے پروانوں میں مقبول ہے۔ اس تحریک کی رہنمائی سردار اجیت سنگھ اور لالہ لاجپت رائے نے کی۔ ان دونوں کو جلا وطن کر کے برما میں مانڈلے کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ برما سے رہائی کے بعد سردار اجیت سنگھ کینیڈا چلے گئے، جہاں انھوں نے غدر پارٹی کے ساتھ مل کر وطن کی آزادی کے لیے عظیم تعاون دیا۔

غدر پارٹی لالہ ہردیال کی رہنمائی میں سوہن سنگھ بھکنا نے قائم کی تھی۔ انھوں نے ہندوستان میں انگریز حکومت کو ختم کرنے کا عہد کیا اور بوقت ضرورت ہتھیاروں کے استعمال کو بھی جائز قرار دیا۔ انگریز حکومت کو ختم کر کے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

وہ عوامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس میں ہر ایک کو مکمل آزادی حاصل ہو اور مساوی اختیارات ہوں۔ غدر پارٹی نے اپنا دفتر سان فرانسسکو میں کھولا۔ انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار شروع کیا، جس کا نام غدر تھا۔ اپنی پارٹی کی سیکولر حیثیت برقرار رکھنے کے لیے انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی کسی میٹنگ میں کسی طور مذہب کا ذکر نہیں کریں گے۔ مذہب ہر آدمی کا نجی معاملہ تھا اور نہ ہی خوراک کے معاملے میں کوئی فرق و امتیاز روا رکھیں گے۔ کچھ عرصہ بعد کرتار سنگھ سرابھا، ڈاکٹر متھرا سنگھ اور جوند سنگھ ان میں شامل ہو گئے۔ ان تینوں کو بعد میں اپنے ملک میں پھانسی دے دی گئی۔

غدر پارٹی کی شاخیں امریکہ اور کینیڈا کے علاوہ شنگھائی، ہانگ کانگ فلپائن، تھائی لینڈ اور پانامہ میں بھی کھولی گئیں۔ یہ لوگ اپنے کچھ ایک چنے ہوئے ممبران کو ہتھیاروں کا استعمال بھی سکھاتے تھے۔

غدر پارٹی کی سرگرمیوں کو کاماگاٹا مارو واقعہ سے بہت تقویت ملی۔ اس واقعہ سے غدر پارٹی کے ممبروں کو اتنا جوش آیا کہ انھوں نے پھر عہد کر لیا کہ فرنگی حکومت کا اپنے ملک سے خاتمہ کر کے دم لیں گے۔ اس کے لیے وہ ہر قربانی کے لیے تیار تھے۔

کاماگاٹا مارو ایک جاپانی جہاز کا نام تھا جسے بابا گردت سنگھ نے ہندوستانی تارکانِ وطن کو کینیڈا لے جانے کے لیے کرائے پر لیا تھا۔ ان دنوں ملک میں بے کاری کی وجہ سے کئی باہمت پنجابی کاروبار کی تلاش میں پردیس چلے جاتے تھے۔ کیونکہ کینیڈا کامن ویلتھ میں تھا ہندوستانی وہاں بغیر روک ٹوک جا سکتے تھے لیکن انگریز کے اشارے پر کینیڈا کی حکومت نے ایک قانون پاس کیا اور ایشیائی لوگوں کی اپنے ملک میں آمد پر پابندی عائد کر دی۔ یہ پابندی ہندوستانیوں پر ہی عائد کی گئی کیونکہ چینی اور جاپانی لوگوں کو وہ بدستور اپنے ملک میں آنے کی اجازت دے رہے تھے۔ سکھ اس تفریق کو کیوں کر منظور کرتے؟ اس کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے 376 مسافروں کو لے کر کاماگاٹا مارو 22 مئی 1914ء کو وین کوور جا پہنچا۔ ان مسافروں کو کینیڈا میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ جہاز سمندر میں کھڑا رہا اس کے مسافروں کی رسد ختم ہو گئی، دوائیاں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بھی ختم ہوگئیں لیکن کینیڈین سرکار ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی اور پھر مقامی پولیس کے ساتھ ان کی جھڑپ بھی ہوگئی۔ دونوں اطراف سے گولی چلی۔ کینیڈین سرکار انہیں واپس جانے کے لیے راشن پانی دینے کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔ یہ سن کر کینیڈا کے ہندوستانی تڑپ اٹھے۔ انھوں نے دھمکی دی کہ وہ تمام وین کوور کو تہس نہس کردیں گے۔ اب کینیڈا سرکار کے ہوش ٹھکانے آئے اور فیصلہ ہوا کہ وہ جہاز کی واپسی کے لیے بقدرِ ضرورت راشن پانی دیں گے۔ یوں کاماگاٹا مارو دو ماہ کے بعد واپس روانہ ہوا۔ واپس یوکوہاما پر انھیں ہتھیاروں سے لیس کیا گیا اور بابا سوہن سنگھ بھکنا اور بابا گردت سنگھ کی رہنمائی میں ہر ایک مسافر کٹر انقلابی بن گیا۔

اسی دوران پہلی جنگِ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ جب کاماگاٹا مارو کلکتہ پہنچا اس کے مسافروں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا گیا۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی انہیں پنجاب واپس لے جانے کے لیے گاڑی تیار کھڑی تھی۔ یہ بات غیرت مند پنجابیوں کو منظور نہیں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کچھ دن کلکتہ ٹھہر کر تھوڑا بہت پیسہ کما لیں تاکہ انہیں خالی ہاتھ گھروں کو لوٹنا نہ پڑے۔ پولیس کے ساتھ جھڑپ ہو کر رہی جس میں 18 مسافر شہید ہوئے لیکن بابا گردت سنگھ اور دیگر 28 مسافر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ بابا گردت سنگھ اس کے بعد 7 سال روپوش رہے۔ آخر ننکانہ صاحب میں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ 1914 تا 1918 کے دوران جو 8000 ہندوستانی پردیس سے لوٹے ان میں سے 5000 کو قید کر دیا گیا اور باقی 2500 پر نظر رکھی جانے لگی۔ اس پارٹی کے ہمدرد فوج میں بھی تھے لیکن قابل قیادت اور ڈسپلن نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ کوئی خاص معرکہ سر نہیں کر سکے۔ پھر بھی سرکار ان کا پیچھا کرتی رہی۔ مشکوک گرفتار کر لیے جاتے اس طرح کے 194 انقلابیوں میں سے 180 پنجابی تھے اور زیادہ تر سکھ۔ ان پر وطن سے غداری کا الزام لگایا جاتا۔ ان میں سے 12 کو پھانسی پر لٹکایا گیا اور کچھ ایک جلاوطن کر دئے گئے اور باقی جو بچے انہیں الگ الگ میعاد کے لیے جیل میں پھینک دیا گیا۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ 1914ء میں مدراس میں ہوئے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں برطانیہ کے بادشاہ کی تصویر خاص ہال میں آویزاں کی گئی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

تھی اور صوبے کے گورنر کو کانگرس کے سیشن میں شامل ہونے کے لیے مدعو کیا گیا تھا، غدر پارٹی کا یہ سب کچھ کرنا جو وہ کر رہے تھے کوئی معمولی ہمت کی بات نہیں تھی۔ غدر پارٹی کی سب سے اہم دین یہ ہے کہ انگریز سرکار کو ان لوگوں نے باور کروا دیا کہ وہ ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے نہیں رہ سکیں گے۔ انھیں ہندوستانیوں کے ساتھ جلد یا بدیر سمجھوتہ کرنا پڑے گا۔

دوسری جانب 1917ء کا روس میں اکتوبر انقلاب دوسرا واقعہ تھا جس نے انگریز کی آنکھیں کھول دیں۔ سوویت روس میں زار حکومت کا خاتمہ اور مزدور و کسان کے انقلاب کی پرچھائیں لگاتار ہندوستان پر پڑنے لگی اور انگریز سامراج جس میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا ختم ہوتا نظر آنے لگا۔

پہلی جنگِ عظیم ختم ہو گئی۔ لیکن پنجاب میں ہلچل بدستور رہی۔ جن فوجیوں کو فوجی خدمت سے سبکدوش کیا گیا ان میں 80000 سکھ سپاہی تھے اور ادھر مہاتما گاندھی نے جدوجہد آزادی کی باگ ڈور سنبھال لی تھی۔ گاندھی جی کو انگریز کی نیک نیت پر بہت بھروسہ تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر انھیں بہت حیرت ہوئی کہ گو انگریز نے ہندوستان کی مدد سے جنگ جیت لی تھی لیکن فرنگی کا ہندوستان چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجبوراً گاندھی جی نے ستیہ گرہ کا اعلان کر دیا۔

13 اپریل 1919ء متبرک بیساکھی کا دن، وہ دن جب گرو گوبند سنگھ جی نے امرت چکھا کر خالصہ پنتھ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس دن امرتسر جلیانوالہ باغ میں بیساکھی کے میلے پر بے شمار لوگ جمع ہوئے۔ ان میں مرد بھی تھے اور بچے بھی۔ بریگیڈیر جنرل ایڈورڈ ڈیہری ڈائر جو دو دن پہلے اپنی فوج کے ساتھ شہر میں آیا تھا، جلیانوالہ باغ میں پہنچا۔ اس نے باغ سے باہر جانے کا واحد راستہ بند کر دیا اور نہتے لوگوں پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ تڑ تڑ گولیاں برس رہی تھیں اور بے قصور لوگ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ کدھر جائیں۔ آخر جب اس کا تمام اسلحہ ختم ہو گیا تو کہیں دم لیا۔ 390 لوگ اسی جگہ شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے ہوئے۔ شہید اور زخمی ہونے والوں میں سب سے زیادہ تعداد سکھوں کی تھی۔

یہ دیکھ کر پنجاب کے لوگ مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے ڈاکخانے اور دیگر سرکاری عمارتوں کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا۔ جہاں کہیں کوئی گورا نظر آتا اسے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

قتل کر دیا جاتا۔ ریل کی پٹریاں اکھاڑ دی گئیں۔ جیسے تمام پنجاب بھڑک اٹھا ہو سرکار نے مارشل لاء نافذ کر کے ہر شہر، ہر گاؤں کو کچلنے کی کارروائی شروع کر دی۔

اب پنجاب سیاسی جدوجہد کا بگولا بن گیا۔ نوبل انعام یافتہ شاعر رابندر ناتھ ٹیگور نے انگریزی سرکار کی طرف سے دیے گئے سر کے خطاب کو جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے پروٹسٹ میں واپس کر دیا۔ اسی سال دسمبر میں انڈین نیشنل کانگرس نے اپنا اجلاس امرتسر میں منعقد کیا۔ اس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ مہاتما گاندھی، موتی لال نہرو، مدن موہن مالویہ، جواہر لال نہرو، سی۔ ایف۔ اینڈریوز، ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری، علی برادران اور حکیم اجمل خاں شامل ہوئے مشہور پنجابی لیڈر جنھوں نے اس کانفرنس میں حصہ لیا وہ بابا کھڑک سنگھ، لالہ لاجپت رائے اور سردار سردول سنگھ کویشر تھے

اب سکھ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کو بحیثیت قومی لیڈر جاننے لگے ایک جست، اور کئی سکھ رہنما ملک کی سیاسی جدوجہد کی سب سے پہلی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ 1920 میں سردار کھڑک سنگھ کی زیر قیادت ایک سکھ کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس میں مہاتما گاندھی بھی شامل ہوئے۔

یہی وقت تھا جب اکالی لہر شروع ہوئی۔ گو اس تحریک کا مقصد سنتوں سے گردواروں کا قبضہ چھڑانا تھا۔ اور ان کی پشت ہا پشت سے چلی آ رہی خراب اور بری رسومات سے سکھ بود و باش کو پاک کرنا تھا۔ لیکن اس تحریک کے فیض سے سکھ پنتھ میں سیاسی بیداری آئی اور آزادی کا جذبہ کروٹیں لینے لگا۔

گوردوارہ اصلاح تحریک سکھ قوم کے لیے ایک کڑا امتحان تھی۔ پشتینی مہنت گوردواروں کا قبضہ چھوڑنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے۔ گوردواروں کے ساتھ جاگیریں لگی ہوئی تھیں اور ہزاروں روپوں کا چڑھاوا اس کے علاوہ تھا۔ سکھوں کو کئی مورچے لگانے پڑے۔ کبھی تو ٹکراؤ سیدھا سرکار کے ساتھ ہوتا اور کبھی سنتوں کے ساتھ جنھیں سرکار کی پشت پناہی حاصل تھی اور اندرونی مدد بھی ملتی تھی۔ دلی میں سرکار نے رکاب گنج گوردوارے کی دیوار کو منہدم کروا دیا۔ اس گوردوارے کی سری گرو تیغ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بہادر کی شہادت کی وجہ سے ہمیشہ خاص اہمیت رہی ہے۔ سکھ قوم مشتعل ہو گئی۔ مورچہ شروع ہو گیا۔ سردول سنگھ گولیشر کی قیادت میں لاہور سے ایک جتھا چلا جس میں مسلمان بھی تھے، ہندو بھی اور سکھ بھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ خون خرابا ہوتا سرکار کو سمجھ آ گئی اور گوردوارے کی دیوار کو پھر سے تعمیر کرا دیا گیا۔

جلیانوالہ باغ کے المناک حادثے کے بعد ہرمندر صاحب امرتسر کے پشتینی مہنت نے گورنر مائیکل اڈوائر کو بلا کر 'سروپا' نذر کیا۔ سکھ قوم کی غیرت یہ کیونکر برداشت کر سکتی تھی! اس طرح کے لوگوں کے ہاتھ میں سکھوں کی سب سے متبرک جگہ کا قبضہ کیوں کر رہنے دیا جاتا؟ ایک دوسرا مورچہ شروع ہوا جس کی بدولت سکھوں نے گوردوارے کا قبضہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

گرو نانک کی پیدائش کی جگہ ننکانہ صاحب کے گوردوارے کا مہنت نارائن داس شرابی اور بدچلن تھا۔ اسے فرنگی کی حمائتی حاصل تھی۔ 130 سکھوں کا ایک جتھا جو ننکانہ صاحب گیا اسے مہنت کے غنڈوں نے قتل کر دیا اور پھر مٹی کا تیل چھڑک کر وہیں جلا دیا۔ جتھے کے لیڈر سردار لچھمن سنگھ کو ایک درخت کے تنے کے ساتھ باندھ کر زندہ جلا دیا گیا۔

یہ سن کر تمام ملک غم و افسوس میں ڈوب گیا۔ مہاتما گاندھی اور علی برادران خود ننکانہ صاحب آئے۔ سرکار کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور گوردوارے کا قبضہ فوراً سکھوں کو دے دیا گیا۔

اگرچہ مہنتوں سے قبضہ لے لیا گیا لیکن جہاں تک ہرمندر صاحب کا سوال تھا سرکار نے فیصلہ کیا کہ وہ گوردوارے کے انتظام کے لیے سرکاری نگران رکھے گی۔ سکھوں کو یہ منظور نہیں تھا، اور مورچہ جاری رہا۔ تحریک میں حصہ لینے والوں کو طویل میعاد کی جیل دی جاتی لیکن مورچہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ سکھ لوگوں نے جیلیں بھر دیں۔ ہزاروں عقیدت مند ستیہ گرہ میں شامل ہوتے تھے۔

آخر فرنگی سرکار کو شکست قبول کرنی پڑی۔ امرتسر میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا اور باضابطہ گوردوارے کی چابیاں سکھ پنتھ کے حوالے کی گئیں۔ اسی موقعہ پر مہاتما گاندھی نے سکھوں کو بذریعہ تار مبارک باد بھیجی اور کہا کہ آزادی کی

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پہلی فیصلہ کن جنگ فتح کر لی گئی ہے۔

لیکن جس مورچے نے سکھوں کی شان کو دوبالا کیا "وہ گرو کا باغ" کا مورچہ تھا۔ اجنالہ تحصیل میں ایک بنجر زمین کا ٹکڑا جس کا نام 'گرو کا باغ' تھا دوسرے گوردواروں کے ساتھ اسے بھی سکھوں کے حوالے کیا گیا تھا۔ مہنت سندر داس جس کے قبضے میں یہ ٹکڑا تھا بعد میں مکر گیا اور اس نے سکھوں کا داخلہ اس ٹکڑے میں منع کر دیا۔ اس قطعے میں سوائے جنگلی کیکر کے کچھ پیدا نہیں ہوتا تھا اور سکھ یہ لکڑی لنگر میں جلانے کے لیے لایا کرتے تھے۔ مہنت نے پولیس کی مدد سے 'گرو کے باغ' میں داخل ہونے والے سکھوں کو گرفتار کروانا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی گرفتاری 8 اگست 1922 میں ہوئی۔ اس کے بعد سکھوں کے جتھے 'گرو کے باغ' جانا شروع ہو گئے۔ ایک کے بعد ایک۔ جیسے ایک سیلاب آ گیا ہو۔ پنجاب کے کونے کونے سے جتھے آتے اور پرامن ستیہ گرہ میں شامل ہوتے۔ سکھ ہاتھ باندھے شبد گاتے ہوئے آتے اور اپنے گرو کے باغ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے۔ جب پولیس انہیں گرفتار کرتے کرتے تھک گئی، جیلیں پھر گئیں تو اس نے نئے ہتھیار اپنائے۔ ایک انگریز پولیس کپتان ایس۔ جی۔ این بیٹی کی نگرانی میں پولیس سکھوں کو بری طرح زدوکوب کرتی، ان کے بالوں کو نوچتی ان پر لاٹھی چارج کرتی۔ کئی ایک کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ کئی ایک زخمی ہو جاتے لیکن "ست نام سری واہیگورو، ست نام سری واہیگورو" کا ورد کرتے ہوئے سکھ پرامن ڈھنگ سے مار کھاتے رہتے لیکن ہاتھ نہ اٹھاتے۔ بے ہوش ہو جاتے لیکن منہ سے آہ نہ نکلتی۔ بہت سے شہید ہو گئے ہزار ہا جیلوں میں سڑ رہے تھے۔ لیکن جتھے ختم ہونے کا نام نہیں اہنسا کا پرچار ہمارے زمانے میں بے شک مہاتما گاندھی نے کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہنسا سکھ قوم کے خون میں شامل ہے۔ سکھوں کے پانچویں گرو گرو ارجن دیو اور پھر نویں گرو، گرو تیغ بہادر صاحب اہنسا کے اوتار تھے۔ انھوں نے اہنسا کی دشوار راہ پر چلتے ہوئے شہادت پائی۔ جس طرح سکھوں نے اس ستیہ گرہ میں صعوبتیں برداشت کیں اور جس طرح انگریز سرکار نے ظلم کئے اس پر تمام ملک میں غم و افسوس چھا گیا۔ تمام پنجاب غم و غصے کی وجہ سے جوش سے بھر گیا۔ ہر ضلع دوسرے ضلع کے مقابلے میں اس مورچے میں بڑھ چڑھ کر

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

حصّہ لیتا۔ جگہ جگہ مشاعرے ہوتے اور پنجابی شاعر "گرو کے باغ" کے متعلق نظمیں سنا سنا کر لوگوں میں جوش پیدا کرتے "ہمارا گردوارہ گرو کا باغ ہمارا" اس موضوع پر کئی پنجابی شعراء نے نظمیں لکھیں۔

جس طرح سکھ اس مورچے کو مکمل پر امن اہنسا کی لائنوں پر چلا رہے تھے گاندھی جی کو یہ دیکھ کر بہت حیرانی ہو رہی تھی۔ انھوں نے یہ کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ سکھ سورمایوں ان کے اندازِ فکر کو اپنا لیں گے۔ ملک بھر سے کئی اہم لیڈر یہ دیکھنے کے لیے آئے کہ سکھ کس طرح ستیہ گرہ کو اپنا کر اپنا مورچہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پنڈت مدن موہن مالویہ، ایک ہندو لیڈر جو کانگرس کے صدر بھی رہ چکے تھے، سکھوں پر ہو رہے ظلم کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سب سے زیادہ حیرت انہیں اس ضبط پر ہوئی جس پر کاربند ہو کر ہر بہادر سکھ پولیس کی مار کھاتا اور منھ سے "ست نام سری واہیگورو، ست نام سری واہیگورو" کا ورد کرتا جاتا تھا۔ آخر پنڈت مدن موہن مالویہ نے یہ سب دیکھ کر پنجاب سے روانہ ہونے سے پہلے ایک اہم بیان دیا۔ "میں اپنے آپ کو یہ کہنے سے روک نہیں پا رہا ہوں کہ جو کچھ اس مورچے میں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ ایک کرشمہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ میں ہر ہندو خاندان کو صلاح دونگا کہ وہ خاندان میں کم از کم ایک بیٹے کو ضرور سکھ بنائیں۔"

سی۔ ایف۔ اینڈریوز ایک عیسائی دھرماتما جو گاندھی جی کا بھی مداح تھا ان دنوں پنجاب آیا اور اس نے "گرو کے باغ" کے مورچے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور واپس لوٹ کر یہ بیان دیا۔

"کالی پگڑیاں باندھے ہوئے چار اکالی سکھ تھے۔ ان کے ہاتھ خدا کی عبادت میں جڑے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے کوئی ایک درجن پولیس والے تھے۔ پولیس کے ساتھ ایک انگریز افسر بھی تھا۔ بغیر وجہ گورا پولیس والا اپنی پیتل منڈھی لاٹھی لیے آگے بڑھا اور اس نے ایک ستیہ گرہی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی لاٹھی ستیہ گرہی کی گردن پر لگی اور وہ اوندھا گر گیا۔ کچھ دیر بعد ستیہ گرہی اٹھا اور پھر اس پر لاٹھی آ گری۔ ہر دفعہ وہ یونہی کھڑا ہوتا اور ہر بار اس پر لاٹھیوں کی بارش ہوتی۔ آخر وہ بے ہوش

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہو کر گر پڑا۔ دیگر دوسروں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہ ظلم کی انتہا تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک پولیس والا اپنے سامنے کھڑے بے سہارا سکھ کے پیٹ میں ٹھوکریں مار رہا تھا۔ میرا دل چاہا آگے بڑھ کر اسے روک دوں اور پھر میں نے دیکھا ایک دوسرا پولیس والا ایک بے سدھ پڑے سکھ کے اوپر چڑھ کر اسے لتاڑ رہا تھا۔ اس تمام ظلم کا دردناک پہلو یہ تھا کہ جن پر یہ تمام ظلم کئے جا رہے تھے وہ تمام وقت منہ سے خدا کا نام لے رہے تھے۔ انھوں نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، نہ منہ سے آواز نکالیں گے۔ میرے دیکھتے ہوئے نہ کسی ستیہ گرہی نے کوئی خفگی ظاہر کی نہ بدلے کا جذبہ دکھایا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے حضرت عیسیٰ کا سولی پر چڑھایا جانا یاد آ رہا تھا۔"

اسی طرح کے کئی مورچے لگائے گئے۔ اس طرح کا ایک مورچہ جیتو کا مورچہ تھا۔ اس مورچے میں کئی مشہور سکھ لیڈروں کے ساتھ جواہر لال نہرو نے بھی گرفتاری دی۔ اپنے ایک خط میں انھوں نے لکھا کہ انہیں گرفتاری سے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس طرح وہ ایک بہادر قوم کی جدوجہد میں اپنا حصّہ ڈال سکے تھے۔ انہیں اس بات کا ارمان تھا کہ "گرو کے باغ" کے مورچے کے وقت وہ جیل میں تھے۔

سکھ پنتھ نے اس تمام عرصے میں فرنگی کو پریشان کئے رکھا اور اسے چین کا سانس نہیں لینے دیا۔ ایک کے بعد ایک مورچہ شروع کئے رکھتے۔ ان مورچوں کی بدولت سکھوں میں کئی مشہور محب الوطن پیدا ہوئے جنھوں نے بعد میں ملک کی جنگ آزادی میں اہم تعاون دیا۔ ان میں سے کچھ ایک کے نام یہ ہیں: ماسٹر تارا سنگھ، بابا کھڑک سنگھ، گیانی گرمکھ سنگھ مسافر، پرتاپ سنگھ کیروں، سوہن سنگھ جوش، سردول سنگھ، کولی شر، گیانی ذیل سنگھ، حکم سنگھ، گردیال سنگھ ڈھلوں اور درشن سنگھ فیرومان۔

شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی جس کے ہاتھ میں گوردواروں کا انتظام تھا بلاشبہ اہنسا اور پرامن انقلاب میں یقین رکھتی تھی لیکن سکھوں کی کچھ ایک جتھے بندیاں ایسی بھی تھیں جن نے دوسری طرح کے طریقے اختیار کئے ہوئے تھے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان میں ببّر اکالی سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ ان کے ممبران زیادہ تر غدر پارٹی اور فوج میں سے بنے تھے۔ وہ "ببّر اکالی دوآبہ" نام کا ایک اخبار بھی شائع کرتے تھے۔ اسے سائیکلوسٹائل کیا ہوتا تھا۔ اس جماعت کے لیڈر جوالدار مجر کشن سنگھ بے ڈنگ اور ماسٹر موتا سنگھ تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ان پر قابو پالیا گیا۔ کشن سنگھ جے ڈنگ اور اس کے کچھ ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی گئی اور دوسروں کو الگ الگ معیاد کے لیے جیلوں میں پھینک دیا گیا۔

سکھ جتنا بہادر سپاہی ہے اتنا ہی وفادار بھی ہے۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں وہ فوج میں زیادہ سے زیادہ بھرتی ہوئے۔ لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد وہ ہر مرتبہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ انگریز جس آزادی کے لیے انھیں دور دراز کے ممالک میں لڑنے اور مرنے کے لیے بھیجتا تھا وہی آزادی ان کے ملک ہندوستان کو دینے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ یہ جان کر انھوں نے فرنگی کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے اور ملک کی جنگ آزادی میں دوسرے ہم وطنوں کے ساتھ شانہ بشانہ جدوجہد کرتے رہے، خواہ وہ ہم وطن مسلمان تھے، ہندو یا کوئی دوسرے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سیکولر ہندوستان کے ساتھ وابستگی

سکھ قوم عجب کشمکش میں تھی۔ مسلم لیگ پاکستان کا مطالبہ کر رہی تھی سکھ بھی ایک اہم اقلیت تھے۔ ان کا بھی حق تھا کہ ان کی الگ حیثیت ہو۔ ان کی ایک الگ ہوم لینڈ ہو اور انگریز کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی اعتراض بھی نظر نہیں آتا تھا۔ انھوں نے اس کا اشارہ بھی کیا تھا۔ جب کبھی طاقت کے منتقل کرنے کا سوال پیدا ہوتا سکھوں کو اپنے طور پر صلاح مشورے کے لیے مدعو کیا جاتا۔ خواہ یہ گول میز کانفرنس ہوتی یا کہ کوئی دوسرا مشن۔

سکھوں کی ایک اور مشکل بھی تھی۔ دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔ بہادر سکھ سپاہیوں کی بھرتی کے لیے بہت مانگ تھی۔ پنجاب میں بے انتہا بے روزگاری تھی۔ اگر سکھ فوج میں شامل ہوتے ہیں تو ایک تو ان کی بے روزگاری کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور دوسری جانب ان کے نوجوان پردیس جاکر باخبر و ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ لڑائی سے واپس آکر سکھ چھوٹے چھوٹے کارخانے لگا سکتے ہیں اور یہ کارخانے وقت کی ضرورت تھے۔ دوسری جانب کانگرس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک انگریز ان کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے، وہ جنگ میں اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ایک طرف سکھ قوم کا نجی فائدہ تھا اور دوسری طرف گاندھی جی کی 'ہندوستان چھوڑو' تحریک۔ ایک جانب سکھ انگریز کی جنگ کے لیے فوج میں شامل ہو رہے تھے اور دوسری جانب 'ہندوستان چھوڑو' تحریک میں شامل ہو کر قید بھگت رہے تھے۔

سکھوں کا ایک اور مسئلہ بھی تھا، بالکل جذباتی مسئلہ۔ ایک جانب مسلم تھے جو ان کے مذہب کے بہت قریب تھے اور دوسری جانب ہندو تھے جو کہ سماجی طور پر ان سے گھل مل گئے۔ ہندوؤں کے ساتھ ان کا روٹی اور بیٹی کا رشتہ تھا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

جہاں تک تاریخ کی تلخ و شیریں یادوں کا تعلق تھا۔ مغل حکومت کے آخری حصّے میں مسلم حکمرانوں نے ان پر بہت ظلم کئے تھے۔ لیکن ہندو راجاؤں نے بھی گرو گوبند سنگھ کے زمانے میں سکھوں پر کوئی کم ظلم نہیں ڈھائے تھے۔

زمانۂ حال میں سکھوں کا مسلمانوں کے ساتھ اکثر فساد اور بدمزگی ہو جاتی۔ لیکن ہندوؤں کے خلاف بھی انھیں شکوے و شکایات رہتی ہی تھیں۔

اس لیے سکھوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اپنے خواب کس کے ساتھ مشترکہ کریں، آسان نہیں تھا۔

خوش قسمتی سے اس نازک دور میں سکھ قوم کی سیاست کی باگ ڈور ماسٹر تارا سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ ایک پاک کردار کا رہنما جس کی ایمانداری پر کبھی کسی کو شک نہیں ہوا تھا۔ ماسٹر تارا سنگھ مکمل 'گرسکھ' تھے اور اپنی قوم کی بہبودی انھیں بہت عزیز تھی سچّے اور صاف گو۔ انھیں چالاکی یا سیاسی پینترے بازی سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اگر سکھوں نے اپنے مستقبل کو پنتھ کے ساتھ وابستہ کیا تھا تو اس کا سہرا صرف ماسٹر تارا سنگھ کے سر ہے۔ ان دنوں کانگرس یا چیف خالصہ دیوان کی سکھ عوام میں بہت کم مقبولیت تھی۔ اکالی دل کے واحد لیڈر ماسٹر تارا سنگھ تھے۔ مہاتما گاندھی کی طرح اس امر سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ پارٹی میں کسی عہدے پر تھے یا نہیں تھے۔ امرتسر میں سکھ مشنری کالج کے نزدیک ان کا گھر سکھوں کی سیاست کا مرکز تھا۔ وہیں پر تجویز پیش کی جاتی اور وہیں فیصلے ہو جاتے۔ گو تیز طبیعت تھے لیکن ایک اچھے سکھ کی طرح وہ اپنے ساتھیوں کی صلاح کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی من مرضی کو جہاں تک بن پڑتا قابو میں رکھتے۔

اس معاملے پر سوچنے کے بارے میں پہلا اشارہ ماسٹر تارا سنگھ کے اس خط سے ملتا ہے جو انھوں نے 31 مارچ 1942ء کو سر سٹیفرڈ کرپس کے نام لکھا۔ یہ خط انھوں نے کرپس مشن سے اپنی ملاقات کے بعد ارسال کیا تھا۔ انھوں نے لکھا "ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں ہوگا، پھر بھی ہم پنجاب کو ہندوستان سے الگ کرنے کی کسی بھی کوشش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔" جس بات سے سکھ نا امید ہوئے وہ یہ تجویز تھی کہ جنگ کے بعد ہندوستانیوں کی ایک منتخب مجلس ہندوستان کا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آئین تیار کرے گی۔ اگر کوئی فریق یہ چاہے کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا نہیں چاہتا تو اسے الگ ہونے کا حق ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ محمد علی جناح کو رضامند کرنے کے لیے سوچا گیا تھا۔

اب سکھوں کی آنکھیں کانگرس پر لگی ہوئی تھیں۔ انھیں بھروسہ تھا کہ کانگرس ملک کی تقسیم کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔ لیکن جلد ہی انھیں ناامید ہونا پڑا۔ جب راجہ گوپال اچاری نے اپنے فارمولے کا اعلان کیا۔ اس میں انھوں نے شمال مغرب اور شمال مشرق کی مسلم اکثریت کا یہ حق منظور کر لیا کہ اگر وہ چاہیں تو ہندوستان سے الگ ہو سکتے ہیں اور اس کے لیے انھیں رائے شماری دینی ہوگی اور بقول راجہ جی اس فارمولے کو گاندھی جی کی تائید حاصل تھی۔ یہ سن کر سکھ مشتعل ہوئے۔۔۔۔

20 اگست 1944 کو امرتسر میں ایک کنونشن بلائی گئی، جس میں ماسٹر تارا سنگھ نے سخت مایوسی کی حالت میں پہلی مرتبہ سکھوں کے لیے ایک الگ اور آزاد سکھ ریاست کا مطالبہ کیا اور کہا کہ سکھ ایک الگ قوم ہیں۔ لیکن اسی کنونشن میں یہ مانگ ناممکن سمجھ کر رد کر دی گئی گو کہ ماسٹر تارا سنگھ کو یہ اختیار دے گئے کہ وہ سکھ قوم کو ملک کی تقسیم کے خلاف متحد کریں۔

1945 ء کے انتخاب میں سکھوں نے ملک کی تقسیم کے خلاف اپنے فیصلے کو بنیاد بنا کر حصہ لیا اور عوام نے اکالی پارٹی کو اکثریت سے کامیاب کیا کمیونسٹ پارٹی جس نے پاکستان کی حمایت کی تھی بالکل ہار گئی۔

کیبنٹ مشن کے ساتھ سکھوں کی گفت و شنید بالکل ناکامیاب رہی تمام گفت و شنید ماسٹر تارا سنگھ کی زیر قیادت ہونا طے پائی تھی۔ لیکن یوں لگتا ہے جو بھی سکھ لیڈر کیبنٹ مشن سے ملا اپنا الگ ہی راگ الاپتا رہا۔ خواہ وہ بلدیو سنگھ تھا یا گیانی کرتار سنگھ یا ہر نام سنگھ ایڈووکیٹ کیبنٹ مشن کو یہ احساس ہوا کہ سکھ ہوم لینڈ کی مانگ صرف پاکستان کی مانگ کی ضد میں کر رہے ہیں۔ اپنے طور پر سکھ اس مطالبے کے لیے کوئی خاص جذبہ و جوش نہیں رکھتے۔

اس لیے جب سر سٹیفرڈ کرپس نے برطانوی پارلیمنٹ کو اپنی رپورٹ پیش کی، اس میں انھوں نے سکھوں کے مطالبے کو قابل قبول نہیں گردانا" سکھ بھی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی طرح انھیں الگ اکائی مان لیا جائے۔ لیکن سکھ تعداد میں بہت کم ہیں ان کی کل آبادی 55 لاکھ ہے جب کہ مسلمانوں کی آبادی 9 کروڑ ہے اور

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

جغرافیائی پہلو سے وہ کسی ایک جگہ اکثریت میں نہیں جہاں انھیں ایک الگ جگہ دی جائے۔"

اس بات کو ماسٹر تارا سنگھ نے اپنی سوانح حیات میں یوں لکھا ہے۔ ہم جانتے تھے کہ ہمارا مطالبہ کمزور ہے۔ اس کی تین وجوہات تھیں (1) ہم سکھوں کے لیے الگ ملک کی مانگ کر رہے تھے کیونکہ مسلمان پاکستان کی مانگ کر رہے تھے۔ ہمارے مطالبے کو پاکستان کے مطالبے کا جواب سمجھا جاتا تھا اور اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا (2) ہندو اگر ہماری مدد کرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے وہ صرف جناح کی مخالفت میں ایسا کر رہے تھے ان کی اپنی ہمدردی ہماری اس مانگ کے ساتھ بالکل نہیں تھی۔ (3) پنجاب کی ودھان سبھا میں سکھ الگ الگ تقسیم تھے: 23 اکالی اور 10 کانگرسی اور پھر صرف دو تحصیلیں تھیں۔ ترن تارن اور موگا جہاں سکھ اکثریت میں تھے اور یہ بھی ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھیں۔

سکھوں کے لیے الگ ملک کی مانگ نہ تو کبھی سنجیدگی سے پیش کی گئی اور نہ اس پر کسی نے کبھی سنجیدگی سے غور کیا۔ اور آخر کار جب ملک کو تقسیم کرنے کی تجویز بنائی گئی تو جو کچھ سکھ قوم کے ہاتھ آیا وہ پنجاب کی اپنی تقسیم تھی اور اس طرح وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے مقسوم کو وابستہ کر پائے۔ انھوں نے اپنی ہستی کو آزاد ہندوستان میں سمو دیا۔

جب پاکستان کے مطالبے کو قبول کر لیا گیا تو سکھوں کو ریڈکلف کے حد بندی کمیشن سے یہ امید تھی کہ انھیں، ان کے ننکانہ صاحب جیسے اہم مذہبی مقام اور مربعوں کے علاقے جسے انھوں نے سخت محنت سے آباد کیا تھا، اسے الگ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن یہاں بھی ناامید ہونا پڑا۔ سکھ پاکستان اور ہندوستان میں نصف نصف منقسم ہو گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے ریڈکلف ایوارڈ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ سردار بلدیو سنگھ جو اس وقت مرکزی سرکار میں وزیر تھے اسے "سٹیل منٹ" کے طور پر قبول کر چکے تھے۔

سکھوں کو اس سب کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ پاکستان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سکھوں کو اپنے ملک میں سے نکال دیا جائے۔ فرقہ وارانہ فساد

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

شروع ہو گئے جس میں سکھوں کے جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ انھیں اپنا گھر بار چھوڑ کر مشرقی پنجاب آنا پڑا۔ پنجاب کے انگریز گورنر سر فرانسس موڈی نے 5 ستمبر 1947ء کو مسٹر جناح کے نام ایک خط میں لکھا "میں ہر ایک سے کہہ رہا ہوں کہ جیسے بھی ہو سکھوں کو سرحد پار پہنچا دیا جائے۔ ان سے چھٹکارہ پانا ضروری ہے اور یہ جلد از جلد ہونا چاہیئے۔ لائل پور سے سکھ جاتے نظر نہیں آتے لیکن انہیں بھی جانا ہوگا۔"

پاکستان کا پرچار کرتے ہوئے مسلم لیگ کے ایک لیڈر فیروز خان نون نے کہا تھا "اگر انگریز سرکار نے ہمیں ہندو اکثریت کے ماتحت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تو مسلمان جو تباہی لائیں گے وہ چنگیز خاں اور ہلاکو کے مظالم کو بھی مات کر دے گی۔" ٹھیک یہی سب کچھ بے چارے نہتے اور بے آسرا ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ ہوا جب وہ پاکستان چھوڑ رہے تھے۔ بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔ عورتوں کو اغوا کیا گیا اور ان کی عصمت دری کی گئی۔ مردوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ان کی جائیداد کو لوٹا اور جلایا گیا۔ پاکستانی پولیس جب فساد کرنے والوں کا ہاتھ نہ بٹا رہی ہوتی تو دور کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہوتی۔ جو کچھ مغربی پاکستان میں ہوا، وہی مشرقی پنجاب میں ہونے لگا۔ اس طرف کے ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے پڑوسی مسلمانوں پر بے انتہا مظالم کیے۔ اس سیاہ کارنامے کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

اندازاً آبادی کی اس تقسیم میں 5 لاکھ جانیں تلف ہوئیں۔ 50 لاکھ مسلمان پاکستان بھگا دیئے گئے اور ایک کروڑ ہندو سکھ ادھر آئے، جن میں سے زیادہ تر سکھ پنجاب میں بس گئے۔

اتنے لوگوں کو دوبارہ بسانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن مرکزی سرکار کی ہمدردی اور بے گھر لوگوں کی محنت، زیادہ وقت نہیں گزرا کہ وہ لوگ جو مہاجر ہو کر آئے تھے۔ دوبارہ آباد ہو گئے۔ یہی نہیں وہ علاقہ جو کبھی بنجر اور اجاڑ شمار کیا جاتا تھا، ان لوگوں کی مشقت کی وجہ سے سرسبز و شاداب ہو گیا۔ مشرقی پنجاب جو تقسیم کے وقت باہر سے اناج منگوا کر اپنی ضرورت پوری کرتا تھا آج تمام ملک کو اناج کھلا رہا ہے اور اناج کی کوٹھی بن گیا ہے۔ سبز انقلاب نے پنجاب کی شکل

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بدل دی ہے۔ آج پنجاب سب سے زیادہ خوشحال صوبہ مانا جاتا ہے۔ یہاں فی کس آمدنی ملک بھر میں سب سے زیادہ ہے۔

انگریزی کی یہ کہاوت ہے کہ ہر بادل کا کنارہ سیمیں ہوتا ہے۔ غیر منقسم پنجاب میں سکھ جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے تقسیم کے بعد وہ مشرقی پنجاب میں مرکوز ہو گئے اور جب زبان کی بنیاد پر صوبوں کی تقسیم ہونے لگی تو پنجابی صوبہ بنایا گیا۔ اس طرح سکھوں کو ایک صوبہ مل گیا جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ آج پنجاب، پنجابی زبان والوں کا الگ ہوم لینڈ ہے اور سکھوں کی وہاں اکثریت ہے۔

ہندوستان کے ساتھ خوابوں کو مشترکہ کرنے کا یہ ایک اہم خواب پایہ تعبیر کو پہنچا جو ہمارے سامنے ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

سکھ اور پنجابی

مشہور عالم جنت مکانی پرنسپل تیجا سنگھ کے بقول جو بھی زبان اہل پنجاب بولیں وہ پنجابی ہے۔ ایک زندہ زبان اپنی شکل بدلتی رہتی ہے۔ پشت در پشت چلتے ہوئے اس کا روپ بدل سکتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ پنجابی کے ساتھ ایسا بار بار ہوتا رہا ہے۔ لیکن پنجابی پھر بھی پنجابی رہی ہے وہ زبان جو یہاں پر رہنے والے بولتے رہے ہیں۔ آج بھی پوٹھوہار میں بولی جانے والی زبان اور مالوے میں رائج زبان میں فرق ہے۔ جیسے مالوے کی زبان اور ماجھے کی زبان کے ذائقے میں فرق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہر 15 کیلو میٹر کے بعد زبان بدل جاتی ہے۔ دیگر ہندوستانی زبانوں کی طرح پنجابی کی بھی کئی اُپ بھاشائیں ہیں اور یہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو سکتی ہیں جیسے کہ پوٹھوہار کی بولی لہندی سے ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ایک زبان اپنے صوبے کی سرحد پر آکر ختم ہو جائے گو کہ ہندوستان میں ہم نے زبان کی بنیاد پر صوبوں کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور اسی اصول پر ہم نے اپنے صوبوں کو دوبارہ تشکیل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ یوں کرنے سے پنجاب کے ساتھ بہت بے انصافی ہوئی ہے۔ ملک کی تقسیم کے وقت پنجاب، پاکستانی پنجاب اور ہندوستانی پنجاب میں منقسم ہو گیا۔ یہ تقسیم زبان کی بنیاد پر نہیں بلکہ مذہب کی بنا پر کی گئی تھی۔ پھر 1966ء میں زبان کی بنیاد پر باقی ماندہ پنجاب سے ہماچل اور ہریانہ دو صوبے کتر بیونت سے نکال لیے گئے۔

پنجابی زبان کی ایک دوسری بدقسمتی بھی رہی ہے۔ یہ بیماری اسے تاریخ کی دین ہے۔ غیر منقسم پنجاب میں آزادی سے پیشتر مسلمان بھائیوں کو سمجھایا گیا تھا کہ

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ان کی زبان اردو ہے نا کہ پنجابی۔ ہر گاؤں کے اسکول میں اردو پڑھائی جاتی گھر میں پنجابی میں گفتگو کرتے تھے لیکن اگر خط لکھنا ہوتا یا سرکاری عرض داشت کی ضرورت ہوتی تو پنجابی مسلم اردو کا سہارا لیتا۔ پنجابی کو کمتر سمجھا جاتا تھا۔ اگر انھیں مجبوراً پنجابی کا استعمال کرنا ہی پڑتا تو فارسی رسم الخط میں پنجابی لکھتے تھے۔ ہیر وارث شاہ کو فارسی رسم الخط میں پڑھتے تھے۔ ہمدم اور فیروز شرف پنجابی شاعری فارسی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ اسی طرح ہندوؤں کو یہ یقین دلوایا گیا تھا کہ ان کی زبان ہندی ہے یہ بیسویں صدی کے آغاز میں تحریک احیائے دین کی وجہ سے تھا پنجابی ہندو بھی گھر، باہر، ملنے جلنے اور کام کاج میں پنجابی کا استعمال کرتا تھا لیکن لکھتے وقت ہندی کا سہارا لیتا۔ باقی رہے سکھ، وہ پنجابی کے ساتھ وابستہ رہے۔ پنجاب کے تئیں وفاداری کی میرے خیال میں سکھوں کی پنجابی زبان سے محبت سچائیت کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ انھوں نے پنجابی زبان اور گرمکھی بھاشا کا کبھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ کیا سکھ پنجابی زبان کے ساتھ اس لیے وابستہ ہیں کیونکہ سری گرو گرنتھ صاحب کی زبان پنجابی ہے کیا سکھ گرمکھی رسم الخط کے ساتھ اس لیے وابستہ ہیں کیونکہ سکھ گرو صاحبان نے اس رسم الخط کا استعمال کیا؟ ان دو باتوں نے ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا کی خصوصاً پنجاب کے فرقہ وارانہ ماحول میں جو کہ پنجاب کی عرصہ سے بیماری بنا ہوا ہے۔

یہ بات اب بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہو چکی ہے کہ پنجابی رسم الخط سکھ گرو صاحبان سے پہلے پنجاب میں رائج تھا۔ یہ غلط ہے کہ سکھوں کے دوسرے گرو گرو انگد دیو جی نے اسے ایجاد کیا۔ ہاں انھوں نے گرمکھی کو باقاعدہ استعمال کرنا شروع کیا اور یوں یہ عوام میں ہر دلعزیز ہوتی گئی۔ گرو انگد دیو جی بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ فرماتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ بچے کی تعلیم، سب سے زیادہ تسلی بخش صرف اس کی مادری زبان میں ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی زبان کے لیے گرمکھی ہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ آہستہ آہستہ گرمکھی رسم الخط چاروں طرف اتنا زیادہ استعمال ہونے لگا کہ جب گرو ارجن دیو جی گرو گرنتھ صاحب مرتب کرنے لگے تو انھوں نے گرمکھی کا ہی استعمال کیا اور سری گرو گرنتھ صاحب میں اس کا استعمال ہر پہلو سے مناسب اور سائنٹیفک ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

گرمکھی رسم الخط دیوناگری رسم الخط کی طرح برہمی اور خروشٹی سے نکلا معلوم ہوتا ہے۔ گرمکھی اور دیوناگری میں کچھ حروف مشترک ہیں کچھ حروف ملتے جلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کی آوازیں فرق ہیں گو کہ دیکھنے میں ایک سے لگتے ہیں۔ گرمکھی رسم الخط ایک خوب صورت رسم الخط ہے ساخت میں سادہ اور پنجابی زبان کے لئے خاص طور پر موزوں۔ وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلیاں بھی کی جاتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے تاکہ یہ رسم الخط پنجابی زبان کی بدلتی رہی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

یہ خیال کہ سکھ پنجابی زبان کو اس لیے اپنائے ہوئے ہیں کہ ان کے متبرک گرنتھ کی زبان پنجابی ہے، سکھوں کے ساتھ بے انصافی ہے میرے خیال میں سکھوں کی پنجابی سے محبت ان کی مذہبی رواداری و سیکولرازم کا ایک اہم ثبوت ہے۔ پنجابی ہندو کا ہندی سے جوڑا اور پنجابی مسلمان کا اردو سے رشتہ قوی سطح پر بے شک سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنی مادری زبان کو فوقیت نہ دینا غلط بات ہے۔ سکھوں نے اس طرح کبھی نہیں کیا۔ پنجابی صوبہ بننے کے بعد پہلی بات جس کا فیصلہ ہوا وہ یہ تھی کہ پنجاب کی زبان پنجابی ہے اور اس کا رسم الخط صرف گرمکھی یہ فیصلہ ٹھیک وقت پر لیا گیا کیوں کہ زبان کی بنیاد پر بنائے گئے صوبوں میں اپنی اپنی زبان کی ترقی پر کام شروع ہو گیا تھا۔

ادھر پاکستان بننے کے بعد پنجابی مسلمان کو اس بات کا احساس ہوا کہ ان کی مادری زبان پنجابی ہے اور اس کے لیے ان کی ذمہ داری بھی ہے۔ انھیں یہ علم بھاری قیمت ادا کرنے کے بعد ہوا۔ لیکن وہ لوگ ابھی تک فارسی رسم الخط کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں آج پاکستان کے پنجاب کی زبان ہندوستان کے پنجاب سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ ان کا جھکاؤ فارسی عربی کی طرف ہوتا جا رہا ہے اور ہمارا زیادہ جھکاؤ ہندی اور سنسکرت کی طرف نظر آتا ہے۔ جو بات اس کھائی کو پر کر سکتی ہے وہ ہے مشترکہ رسم الخط کا استعمال اگر کوئی چارہ نہ کیا گیا تو سرحد پار کی پنجابی کی شکل سرحد کے اِس پار پنجاب کی پنجابی سے بالکل الگ ہو جائے گی۔

گو کہ سکھوں نے پنجابی اور گرمکھی رسم الخط کو بہت عرصے سے اپنا رکھا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غیر سکھ پنجابیوں نے پنجابی زبان کی ترقی اور اس کی ہر دلعزیزی کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ جدید پنجابی ادب کے معماروں میں لالہ دھنی رام چاترک (شاعر) کرپا ساگر اور ایشور چندر نندا (ڈرامہ نگار) جیسے عظیم نام لیے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف پنجابی میں لکھا بلکہ گرمکھی رسم الخط کا بھی استعمال کیا۔ ان کے نقش قدم پر گامزن کتنے ہی غیر سکھ مصنف آج پنجابی میں بہت خوبصورت لکھ رہے ہیں۔ ان میں دیوندر ستیارتھی، بلونت گارگی، ڈاکٹر روشن لال آہوجہ، ڈاکٹر مہندر کوہلی، ہرنام داس صحرائی، خالد حسین جیسے کئی نام لیے جا سکتے ہیں۔ اور شو بٹالوی کو کون بھول سکتا ہے جو ایک رخشندہ ستارے کی طرح پنجاب کے آسمان پر چمکا اور پھر غروب ہو گیا۔

پنجابی میں قرآن پاک اور رامائن کا ترجمہ ملتا ہے۔ جب دھنی رام چاترک اپنی نظم میں رادھا کا اس طرح ذکر کرتا ہے تو اس کی نظم کچھ کم ہر دل عزیز نہیں ہو جاتی۔

اُدھو، کاہن کی بات سنا کر مجھے
کیوں بجھی چنگاری سلگا رہے ہو
بمشکل دل کے زخم
مندمل ہونے لگے تھے
نئے نشتر کیوں لگانے لگے ہو
ہم نے دل کو سمجھا لیا تھا
تم آکر پھر درد جگا رہے ہو
تمہارے علم کی دوا نہیں کام کرتی
اس دردِ دل کی دوا کچھ اور ہے

(رادھا سندیش)

اور پھر جب پنجابی لوک گیت میں ایک پنجابی دوشیزہ کرشن جیسے محبوب کی خواہش کرتی ہے تو یہ کسی کٹر ہندو لڑکی کی آواز نہیں بلکہ پنجاب کی عورت ذات کی روح کی پکار ہے خواہ وہ ہندو ہے سکھ ہے یا مسلمان ہے:

چندن کی اوٹ میں کیوں کھڑی ؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

بابل ور تلاش کیجئے
کیسا ور تلاش کروں ؟
جیسے تاروں میں چندا
چندا میں کاہن
کاہن سا ور تلاش کیجئے

سکھ قوم کا پنجابی سے پیار اس ملک میں سیکولرازم کو زندہ رکھنے کے لیے سب سے زیادہ ممد و معاون ثابت ہوگا۔ وہ زبان جو اس سرزمین پر پیدا ہوئے تمام پنجابیوں کی مشترکہ زبان ہے۔ جب پنجابی مسلمان اردو زبان کے ساتھ عشق کر رہے تھے اور پنجابی ہندو ہندی کے ساتھ پریم کی پینگیں بڑھا رہے تھے، پنجابی سکھ اپنی مادری زبان کے لیے مکمل وفادار رہے۔ اپنی مادری زبان کا یہ پیار ہمیں متحد رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ پنجاب کے ہندو سکھ اور مسلم ایک ہی تار میں پروئے جا سکتے ہیں۔

گرو نانک اور ان کے بعد آئے گرو صاحبان نے عام عوام کی زبان میں ان کے لیے بانی تخلیق کی۔ اس طرح پنجابی زبان اور گرمکھی رسم الخط کا پرچار ہوا۔ یہ امر باعث افسوس ہوگا کہ کوئی غیر سکھ اپنی مادری زبان کے ساتھ اس وجہ سے تفرقے کا مرتکب ہو کہ یہ صرف سکھ فرقے کی بولی ہے۔ پنجابی زبان اور گرمکھی رسم الخط پنجاب کا مشترکہ ورثہ ہے اور ان کی بدولت ہم پنجابی ایک جگہ مل کر بیٹھ سکتے ہیں، ایک دوسرے کے نزدیک آ سکتے ہیں۔ مشترکہ زبان مشترکہ مذہب سے کہیں زیادہ اہم ہوتی ہے اگر اس کا کوئی ثبوت چاہیئے تو وہ بنگلا دیش نے پاکستان سے الگ ہو کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

آخری لفظ

پنجاب کی حالیہ ضرورت

کچھ عرصے سے پنجاب میں جو کچھ ہو رہا ہے کسی باشعور پنجابی کا اسے دیکھ کر شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ بے شک لوگوں کے مطالبے ہوتے ہیں اور جمہوری طرز حکومت میں انھیں پورا کرنے کے قرینے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن کسی مذہب یا سماج میں اس طرح نہیں ہوتا جیسا کہ کچھ شر پسند عناصر پنجاب میں کر رہے ہیں۔ اس میں سکھ اور غیر سکھ دونوں شامل ہیں۔

یوں لگتا ہے جو کچھ ہم پنجاب میں آج دیکھ رہے ہیں اس کے بیج کئی سال پہلے بوئے گئے تھے۔ یہ بدمزگی پہلے کیوں نہیں ہوئی اس پر حیرت ہے۔

آج سے سال پہلے جب موجودہ شکل کا پنجابی صوبہ بنایا گیا تو جیسے سوچی سمجھی سکیم کے تحت غلط فہمیوں کی شروعات بھی کی گئی۔ ہر سمجھ دار پنجابی انے نئے صوبے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ زبان کی بنیاد پر صوبوں کی از سر نو تنظیم کے اصول کے مطابق مرکز نے خواہ دیر سے سہی، یہ منظور کر لیا کہ پنجابی بولنے والے لوگوں کا الگ صوبہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس صوبے کی شکل کیا ہو اس اہم مسئلے کو کچھ مرکز کے تنگ نظر رہنماؤں پر اور کچھ پنجاب کے کٹر لوگوں پر چھوڑ دیا گیا۔ پھر یہ دیکھنے میں آیا کہ ایک تنگ نظر فریق کی یہ کوشش تھی کہ پنجاب سے جتنا علاقہ تراشا جا سکتا ہے تراش لیا جائے پنجابی زبان کا پنجاب جس قدر بونا ہو سکے اسے اتنا بونا بنا دیا جائے اور دوسری طرف کا کٹر فریق یہ سب دیکھ کر بغلیں بجا رہا تھا کیوں کہ اس طرح کے پنجاب میں ان کا اکثریت میں ہونا لازمی تھا۔ اس طرح محدود نظر کے ایک فریق کی پالیسی دوسرے تنگ نظر فریق کے کام آ گئی۔ پنجاب کے لوگوں کو جان بوجھ کر ایک محدود سانچے میں ڈھالا گیا۔ اس کا خمیازہ ہم آج بھگت رہے ہیں

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

دوسری فاش غلطی یہ ہوئی کہ اتنے برسوں تک اسے سدھارنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ کانگرسی، اکالی یا جنتا سرکار جس کسی کے بھی ہاتھ میں پنجاب کی حکومت رہی اس نے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ جیسا بھی صوبہ بنایا گیا اس میں صحت مند اقدار کو ابھارا نہیں گیا یہ کوشش نہیں کی گئی کہ نئے پنجاب میں ایک ملی جلی تہذیب (Composite Culture) کا پرچار کیا جائے۔

غریبی دور کرنے، کھیتوں اور کارخانوں میں پیداوار بڑھانے کی انتھک دوڑ میں ہم پنجابی کلچر اور آرٹ کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج پنجاب کے پاس کلاسیکی سنگیت کی کوئی روایت نہیں۔ نہ ہی کہیں پنجابی رنگ کا چرچا ہے نہ ہی کسی نے پنجابی گویّے کو بیٹھا گاتے کبھی سنا ہے۔ سردار سوہن سنگھ پیٹالہ ہیں اور دلیپ چندر بیدی دلّی میں وقت گزار رہے ہیں۔ رقص میں اتنے سالوں کے دوران ہم بھنگڑے اور گدّھے سے آگے نہیں جا سکے۔ آرٹ میں ستیش گجرال اور کرشن کھنہ ہم سے پرائے ہوتے جا رہے ہیں۔

سب سے زیادہ پریشان پنجابی مصنف ہے۔ پنجابی ادیب جس نے کبھی سوچا تھا کہ پنجابی صوبہ بن جانے سے اس کے لیے مواقع کے دروازے وا ہو جائیں گے۔ ایسے حالات دیکھ کر حیران و پریشان ہے۔ 81 - 1980ء میں پنجابی میں شائع کتابوں کی گنتی 308 تھی اس کے مقابلے میں بنگالی میں 1046 گجراتی میں 767 کنڑ میں 500 ملیالم میں 1044 مراٹھی میں 1366 اور تامل میں 1135 کتابیں شائع ہوئیں۔ کبھی ہم سوچتے تھے کہ ملک راج آنند اور خوشونت سنگھ، راجندر سنگھ بیدی اور کرشنا سوبتی جیسے دیگر پنجابی مصنفین کو اپنی مادری زبان میں لکھنے کے لیے مائل کریں گے۔ اب یہ حالت ہے کہ کئی مشہور پنجابی مصنفین پہلے ہندی اور انگریزی میں اپنی تخلیقات کو شائع کرواتے ہیں اور پھر پنجابی کی باری آتی ہے۔

پنجابی تھیٹر سوقیانہ پن کے لیے بدنام ہے اگر کبھی کوئی کام کی چیز پیش کی جاتی ہے وہ بھی اس شور و غوغا میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

سبز انقلاب کے بعد آج پنجاب زرعی صنعتوں کی طرف رواں دواں ہے۔ ایک نئے انقلاب کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ گو پنجاب کے دریاؤں کا پانی ہماچل پردیش کو تقسیم کیا جاتا رہا پھر بھی سبز انقلاب آ کر رہا۔ اب پنجاب کے محنت کش

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

زرعی صنعتوں کا انقلاب لاکر رہیں گے۔ خواہ انہیں ضرورت کے مطابق بجلی ملے یا نہ ملے۔ خواہ انھیں پمپوں کو چلانے کے لیے ڈیزل کی ہفتوں راہ دیکھنی پڑے۔

اس نئے پنجابی کو اگر صحیح راہ پر نہ گامزن کیا گیا تو وہ اپنے زائد پیسے اور فالتو وقت کو بیکار نعرے بازی میں گنوا دے گا۔ وہ ضرور غلط باتیں کرے گا۔ اگر اسے اچھی باتوں کا طریقہ نہ سکھایا گیا، صاف اور صحت مند بود و باش کی عادت نہ ڈالی گئی۔ گاؤں میں گپ شپ کا آرٹ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نئی طرزِ زندگی انسان میں تنہائی کے احساس کو تیکھا کر دیتی ہے۔ روپیہ اکثر انسان کو راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ اسے خود غرض اور خود پرست بنا دیتا ہے۔

ہمیں اس بیماری کے خلاف چوکنا رہنا ہے، خود کو بچا کر رکھنا ہے اور یہ سب کچھ ابھی کرنا ہے۔ اگر ہم پہلے ہی دیر نہیں کر چکے ہیں تو ہر برائی پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے اور وہیں اس کی بیخ کنی کرنا ہے۔

آج پنجاب میں پریس کے ذمے اہم ذمہ داری ہے۔ اس میں ہم بری طرح فیل ہوئے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے صوبے میں حال ہی میں ایک بزرگ اور قابل احترام اخبار نویس کا قتل کیا گیا۔ آج پنجاب میں جس طرح کا ماحول ہے ہمیں ہر لفظ سوچ سمجھ کر منھ سے نکالنا ہوگا۔ ہمیں ہر طرح کی آزادی ہے لیکن اپنا گھر جلانے کی آزادی نہیں۔ اخبارات کے رجسٹرار کے حال ہی میں شائع اعداد کے مطابق پنجاب میں اخبارات اور رسائل شائع ہونے کی تعداد دوسرے صوبوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے پنجاب میں پریس کی ذمہ داری اور بھی زیادہ ہے۔

آج بھی پنجابی فلم اتنی ہی اوٹ پٹانگ ہے جتنی پہلے تھی۔ کنڑ، بنگالی، ملیالم اور مراٹھی فلم ترقی کرتے ہوئے کہیں سے کہیں جا پہنچی ہے۔ پنجابی سرکار کو جہاں بھی نظر آئے کلچر کے شگاف کو پر کرنا چاہیئے۔ آزادی کے بعد پنجابی فلم سازوں نے لاہور چھوڑ کر بمبئی اختیار کر لی۔ انھیں واپس پنجاب کیوں نہیں بلایا جا سکتا؟

ریڈیو اور ٹی وی سرکاری تحویل میں ہیں۔ لوگوں میں ان کے بارے

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

میں اچھی رائے ایک ہی طرح سے ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے پروگرام اچھے بنائیں۔ ان کے پروپیگنڈے کے پروگرام بے معنی رہیں گے جب تک وہ اپنی ساکھ قائم نہیں کرتے اور ایسا صرف اعلیٰ پروگرام کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ انھیں اپنے سامعین اور ناظرین کے ذوق کا معیار اعلیٰ کرنا ہوگا اور اس سے انکار نہیں کہ اس طرف ابھی بہت زیادہ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

اور اس کے ساتھ ہم تخلیقی ادب کی طرف آتے ہیں جو میرے خیال میں کسی سماج کو متحد رکھنے میں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ بنگلا دیش کے لوگوں نے پاکستان کو چھوڑ دیا لیکن رابندر ناتھ ٹیگور کو سینے سے لگائے رکھا۔ پنجاب کی مادری زبان پنجابی ہے خواہ وہ ہندو ہے یا سکھ، عیسائی ہے یا مسلمان۔ ہندی ہمیں کوئی پرائی نہیں۔ ہندی بڑی بہن ہے۔ اس کی اپنی جگہ ہے پنجابیوں میں مطالعہ کی عادت پیدا کرنی ہوگی کیونکہ لوگ کتابیں پڑھنے کے عادی نہیں۔ کتابوں کی اشاعت محدود ہے۔ چونکہ کتابیں بکتی نہیں اس لیے وہ کم شائع ہوتی ہیں۔

پنجاب میں لائبریریوں کا جال بچھانا ہوگا۔ ہر پنچایت کی اپنی لائبریری ہونی چاہیئے۔ ہمارے ملک میں کئی صوبوں میں لائبریری کے خاص قانون بنائے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں لائبریری ٹیکس بھی لاگو ہیں۔ لائبریریوں کے الگ محکمے ہیں۔

پنجابی زبان کا پیار، پنجابی ادب سے وابستگی خواہ وہ عوامی ادب ہو، یا کلاسیکی یا جدید ہم میں پنجابیت کو فروغ دے گا اور پنجابیت کے تانے بانے ہمیں ایک دوسرے سے باندھ کر رکھیں گے۔ جہاں مذہب شکست پاتا ہوا نظر آتا ہے وہاں مجھے یقین ہے ادب کامیاب رہے گا۔ ہماری ادبی میراث کمتر نہیں۔ فرید اور نانک، وارث شاہ اور ویر سنگھ، پورن سنگھ اور دھنی رام چاترک پر جتنا ہم فخر کریں کم ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پنجابی میں پنجابیت کا احساس اجاگر کیا جائے۔ پنجابی ہونے پر فخر محسوس کرنا خواہ وہ پنجاب میں ہے، ہریانے یا ہماچل میں، دلی میں یا ساؤتھ ہال اور ون کوور میں۔

پنجابیت کیا ہے؟

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پنجابیت پنجاب کا پیار ہے۔ پنجابی زبان کا پیار ہے۔ پنجابی بود و باش کا پیار ہے۔ پنجابیت برادرانہ جذبہ ہے ..... ہمسائے ماں جائے ہوتے ہیں۔ پنجابیت محنت کرنے میں ہے۔ سخت محنت اور بانٹ کر کھانا۔ پنجابیت اپنی روایت اپنی وراثت اور اپنے وطن کے لیے قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہے۔ پنجابیت خوش حالی اور خوش رہنے میں ہے۔ پنجابیت اس میں ہے کہ جو کچھ دوسرے کر سکتے ہیں پنجابی اس سے اچھا کر سکتا ہے۔

اور یہ میرا عقیدہ ہے کہ پنجابیت کا یہ احساس پنجابی ادب اور آرٹ کے ذریعے ابھارا جا سکتا ہے۔

جو لوگ بہترین کتابیں پڑھتے ہیں وہ بہترین صحبت میں رہتے ہیں جو آرٹ کو پیار کرتے ہیں ان کے احساس لطیف ہوتے ہیں اور شعور تیکھا ہوتا ہے، ان کا زاویہ نگاہ وسیع ہوتا ہے وہ فراخ دل ہوتے ہیں۔ تنگ دلی اور تنگ نظری کے ساتھ ان کا سنگ نہیں ہوتا۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

پنجابی ادیبوں کا فرض

اس ملک کے لیے جہاں مہاتما بدھ کی پیدائش ہوئی، جہاں کبیر نے اونچ نیچ اور ذات پات کا خاتمہ کیا۔ جہاں گرو نانک نے اپنا پیغام سنایا۔ جذباتی یک جہتی کوئی نئی بات نہیں۔ بابا نانک نے کہا تھا "نہ کوئی ہندو، نہ کوئی مسلمان ۔ ہم سب انسان ہیں۔ ایک خدا کی اولاد۔ وہ ایک اونکار ہے۔

ہمارے ملک میں اشوک جیسے عظیم شہنشاہ ہوئے ہیں۔ اشوک جس نے پنچ شیل کا پرچار کیا اور مل جل کر رہنے کا طریقہ بتایا، اکبر جس نے دین الٰہی کی بات کی اور ایک مشترکہ قوم کا خواب دیکھا۔ رنجیت سنگھ جیسے مہاراجہ نے حکومت کی جس نے اپنے قول اور عمل سے مذہبی غیر جانبداری کی ایک مثال قائم کی۔

پھر ہمارے ملک میں فرنگی کی آمد ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک تمام ہندوستان کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ لیکن ہم میں دوئی کا احساس جگائے رکھا۔ یہی نہیں انھوں نے جان بوجھ کر ایک مذہب کی دوسرے مذہب سے غلط فہمی کی شروعات کی اور ملک کے مختلف حصوں میں دوری قائم رکھی۔ سب سے غلط بات یہ کہ چلتے وقت ملک کو تقسیم کر گئے اور اس طرح مصیبتوں کا ایک پہاڑ ہمارے لیے کھڑا کر دیا۔ انھوں نے ہندوستانیوں کو الگ الگ رہنے، دور دور رہنے کا راستہ جیسے بتا دیا۔ یہ باعث حیرت نہیں کہ تقسیم کے زخم مندمل ہونے کی بجائے بار بار رسنے لگتے ہیں ہمیں اس کے خلاف ہمیشہ چوکنا رہنا ہوگا۔

یہ سب کا مشترکہ فرض ہے لیکن مصنفین کا اہم ترین فرض ہے۔

ادیب کی آواز عوام کی آواز ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کے جذبات کی مصوری

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

کرتا ہے وہ ایک پیغام بر کا کام کرتا ہے ہر قاعدے قانون کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔

فن کار ہونے کی وجہ سے ادیب کا دائرہ ہمدردی وسیع ہوتا ہے۔ اصلی ادیب کبھی تنگ نظر نہیں ہوتا۔ وہ فراخ دل ہوتا ہے۔

ادیب ایسے کردار کی تخلیق کرتا ہے جو قارئین کے لیے نمونہ بن جاتے ہیں اور زندگی کی سنگلاخ گھاٹیوں کو پار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کل ٹالسٹائے نے ایسا ہی کیا تھا اور رابندر ناتھ نے بھی۔ ہمارے اپنے ادب میں بھائی صاحب ویر سنگھ نے ایسا ہی کیا۔ کچھ برس پہلے جب پاکستان میں فیض کو کسی سازش میں ملوث ٹھہرا کر قید کر دیا گیا تو اس کا کلام سمگل ہو کر باہر پہنچایا جاتا تھا اور پھر وہ شہر شہر، محلے محلے، گھر گھر بجلی کی طرح پہنچ جاتا تھا۔ ایک جادو ہوتا ہے ادیب کے قلم میں۔

ادیب کے لیے سماج کی حقیقت کے ساتھ خود کو جوڑنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ خصوصاً ان مسائل کی طرف دھیان دینا ہوتا ہے جو کبھی کبھی گمراہ سیاستدان پیدا کر دیتے ہیں۔ صبح آزادی پر فیض نے لکھا تھا۔

یہ داغ داغ اجالا
یہ شب گزیدہ سحر
انتظار تھا جس کا
یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں
جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار
کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں۔

(صبح آزادی)

یوں لگتا ہے کہ تقسیم وطن کے وقت کے فسادات، خون خرابہ اور ابتری سے فیض پریشان تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب متعصب لوگ عوام کو اپنے گمراہ کن پروپیگنڈے سے بہکا رہے تھے تو اس وقت کہاں تھے فیض یا کرشن

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

چندر، بیدی یا منٹو یا ان سطور کا مصنف خود۔ بلاشبہ ہماری نسل کے مصنف سے کوتاہی ہوئی۔ ہمیں اس کا علم ہی نہ ہوا کہ ہمیں گمراہ کیا جا رہا ہے۔ ہم اپنے قارئین کو خبردار نہیں کر پائے۔ اگر لاکھوں لوگوں کی قسمت کا فیصلہ سڑکوں اور بازاروں کے ہجوم نے کرنا ہے تو قلم کی کیا ضرورت ہے؟ لکھنے کا کیا فائدہ ہے؟

کچھ وقت پہلے میں سوویت یونین کی انجمن مصنفین کی دعوت پر اس ملک میں تھا۔ ازبکستان کے سفر کے لیے جب میں تاشقند پہنچا تو میں نے دیکھا وہاں کے تمام مشہور مصنفین ایک موٹروں کے کاروان میں گاؤں گاؤں قارئین سے رابطہ قائم کرنے کے لیے نکلے تھے۔ یہ لوگ شہر شہر اور گاؤں گاؤں جا کر جلسے کرتے، قارئین کو اپنی نظمیں اور کہانیاں سناتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے۔ ایک کارواں میں تقریباً ۲۰ موٹر تھے اور ہم یہ دیکھ کر بیحد خوش ہوتے کہ مصنفین کے قافلے کے احترام میں شاہراہوں پر آمد و رفت رک جاتی۔ لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے اور اپنے ادیبوں عزت افزائی کرتے۔

کیوں نہ ہمارے مصنفین بھی کبھی کبھی مل کر شہر اور گاؤں میں جائیں اور لوگوں تک برادرانہ محبت و اخوت کا پیغام پہنچائیں۔

آج ہر مصنف کے لیے خواہ وہ ادیب ہے یا صحافی یا نصابی کتابوں کا مصنف بے حد احتیاط کی ضرورت ہے۔ نصابی کتابوں کی تیاری کی طرف سب سے زیادہ دھیان دینا ہوگا۔ اسکول کی سطح پر ہی وہ اثرات مرتب ہوتے ہیں جو عمر بھر قارئین کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کسی نصابی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے جو صحت مند نہ ہو۔ آج کل جو کتابیں مستعمل ہیں ان کا چوٹی کے مصنفین کی مدد سے از سر نو جائزہ لینا چاہیئے اور مستقبل میں بچوں کے ادب کی ذمہ داری صرف منجھے ہوئے ذمہ دار ادیبوں کو سونپنی چاہیئے۔ سوویت یونین میں بچوں کے لیے کسی کتاب کو جاری نہیں کیا جاتا جب تک اسے اس مضمون کے ماہر استاد، بچوں کے والدین اور خود بچے پہلے پڑھ کر منظوری نہ دے دیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

ہمارے مصنفین کو دیس پردیس جانے کے مواقع فراہم کرنے چاہییں۔
اس طرح کے تعلق سے ادیبوں کا زاویہ نگاہ وسیع ہوتا ہے، بند کھڑکیاں
کھلتی ہیں۔ اور آخری بات، ہمیں اپنے ادیبوں کے تصور کو دلکش بنانا چاہیئے
تاکہ ہمارے ادیب سماجی ذمہ داریوں کو قابلیت سے نباہ سکیں۔ اس کا
یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ کام سرکار کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ کام سماج کا
ہے اور اسی کو یہ کرنا ہوگا۔ قارئین ہی مصنف کو بناتے ہیں اور پھر ٹالسٹائے
ٹیگور اور ویر سنگھ جیسے ادیب لوگوں کی زندگی میں ایک موڑ لاتے ہیں اور
تمام معاشرے کو نئی راہ پر گامزن کرواتے ہیں۔

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے بغیر ہندوستان جیسے کثیر زبانوں، کثیر مذاہب اور کثیر اقوام کے ملک میں نہ کوئی سماجی اور نہ ہی سیاسی ترقی ہو سکتی ہے۔ دنیا کے تمام عظیم مذاہب کی بنیاد عالم گیر بھائی چارے کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ نہایت سلیس انداز بیان میں لکھی یہ کتاب اسی طرح کے ایک مذہب سکھ مذہب کو اس کے سیکولر سیاق و سباق میں پیش کرتی ہے اس طرح یہ ہندوستانی فکر کے ایک اہم پہلو کو سمجھنے میں معاون ہے۔

اس کتاب کے مصنف جناب کرتار سنگھ دگل ایک مشہور ادیب، شاعر اور پنجابی مفکر ہیں جنھیں بہت سے اہم ادبی انعامات جن میں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ اور سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ شامل ہیں، مل چکے ہیں۔ آپ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا کے ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں۔

Rs. 13-25

نیشنل بک ٹرسٹ۔ انڈیا

CC-0. Kashmir Research Institute, Srinagar. Digitized by eGangotri